جلد ۱۰۸ — نومبر ۱۹۸۷ء — عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم

از۔ اُمِّ فاروق

- کتاب جو ایمانی جذبات کو اُبھارتی ہے۔
- کتاب جو حیاتِ طیبہ کو خواتین کی نظر سے دیکھتی ہے۔
- کتاب جو حضورؐ کی شخصیت کو مختلف زاویوں سے پیش کرتی ہے۔
- کتاب جو رسولِ اکرم کی دعوت، خطابت، شفقت، عدالت، معاشرت، معیشت، معمولات اور ارشادات کا تذکرہ کرتی ہے۔
- کتاب جو لاجواب، بے مثال اور مقدس جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔

قیمت	سائز	ضخامت
ڈیلکس ۳۵/- پیپر بیک ۲۵/-	۳۶×۲۳ / ۱۶	۲۴۰ صفحات

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اردو بازار لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۸ | نومبر ۱۹۸۷ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۸ھ | عدد ۳

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون نمبر:- ۶۸۶۳۶ ——— ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

(وفیات)

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ

جماعتِ اسلامی پاکستان کے سابق نائب امیر مولانا عبدالرحیم وفات پا گئے - سپردِ خدا! ان کے پاس علم بھی تھا اور حلم بھی - بڑا بے تکلفانہ دَور گزرا - پہلا سفرِ حجاز ہم تین افراد نے ایک وفد کی حیثیت سے کیا، ایک مولانا عبدالرحیم تھے - بنگلہ دیش کی تشکیل نے ہمارے درمیان جدائی ڈال دی، ورنہ بہت ملاقاتیں ہوتیں - اس دَور میں بھی وہ تشریف لائے -

سنہ ۵۰ء تا سنہ ۵۵ء مشرقی پاکستان کی جماعتِ اسلامی کے جنرل سیکرٹری رہے - پھر سنہ ۵۸ء تک وہاں کے امیر جماعت رہے -

مولانا نے عربی اور اُردو زبان میں ساٹھ سے زائد کتابوں (جن میں تفہیم القرآن بھی شامل ہے) کا بنگلہ میں ترجمہ کیا - خود بھی متعدد کتابیں لکھیں -

ہسپتال میں وفات سے ۲ روز پہلے آپریشن ہوا، جس سے جانبر نہ ہو سکے - عمر ۵۹ سال تھی -

گزشتہ بحرانی دَور میں وہ بنگلہ دیش کے متحدہ محاذوں میں شریک رہے - مولانا بنگلہ دیش اسلامک سنٹر، بنگلہ دیش اسلامک انسٹی ٹیوٹ، رابطۂ عالمِ اسلامی اور او، سی، آئی، کی فقہ اکیڈمی کے رُکن تھے - مرحوم نے سعودی عرب، ایران، بھارت، پاکستان، نیپال، تھائی لینڈ اور برما کے مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی - نمازِ جنازہ پروفیسر غلام اعظم نے بعد نمازِ جمعہ پڑھائی - تدفین مسجد بیت المکرم کے سامنے ہوئی - اللہ مغفرت کرے اور پسماندگان کو صبر بھی دے اور رحمت سے نوازے -

---

عمرو بن عبداللہ بن محفوظ جیسا مخلص محب بھی رخصت ہو گیا - مرحوم جدّہ میں رہتے تھے اور جماعتِ اسلامی ہند سے تعلق تھا - ماضی میں سعودی عرب سے بہت سے لوگ (باقی بر صفحہ آخر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

یہ مہینہ —— ربیع الاوّل —— جس سے ہم گزر رہے ہیں، قدرتی بات ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوتی ہے، محبت کی ایک لہر اُٹھتی ہے، حضورؐ کی عظمت و رفعتِ شان کا تصور کر کے اور حضورؐ کی نعتوں کی گونج فضا میں پیدا کر کے اور حضورؐ کی کتابِ سیرت کے سنہرے اوراق کو پلٹ پلٹ کر اپنی خوش نصیبی کا احساس ہوتا ہے کہ ہمیں انسانیت کے ایسے قائد و رائد سے وابستگی نصیب ہوئی۔

مگر بات صرف خوشی اور خوش نصیبی ہی تک محدود نہیں، معاملہ بڑی بھاری ذمہ داری کا بھی ہے۔ جس نے جناب رسول کریمؐ کو جانا اور ان کا حق ادا کیا وہ مراد پا گیا۔ اور جس نے جانا مگر رسول کریمؐ کے منصب کی حق ماری کی وہ تباہ ہو گیا۔ ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ رسولؐ سے محبت کرتے ہیں، مگر رسولؐ کے احکام اور مطالبات کو قبول نہیں کرتے، اور کچھ ایسے ہیں جو محبت بھی کرتے ہیں اور طاعت بھی۔ کچھ آداب، سلام، قصیدہ گوئی، عاجزی بہت دکھاتے ہیں مگر رسولؐ کے پیغام اور راستے کو قبول کرنے کے بجائے عملاً کوئی دوسرا ہی رُخ اختیار کرتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں کہ جن کی زبانوں پر درود و سلام، جن کے دلوں میں سوزِ محبت و عقیدت اور جن کے افکار، گفتار اور کردار پر حضورؐ کا رنگ چھایا رہتا ہے۔

ربیع الاوّل ہم میں سے ہر ایک سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں کھڑے ہو؟

اصل میں پورے سلسلہ رسالت کے مطابق حضورؐ کا ایک بڑا منصب ہے اور بھاری حقوق ہیں۔ آیئے ذرا اس پہلو سے حضورؐ کے مرتبہ کی تھوڑی سی جھلک دیکھیں۔

میں سب سے پہلے اس مشہورِ عام آیت ہی کو لیتا ہوں کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء ۲۱: ۱۰۷) مطلب صاف ظاہر ہے کہ ہم نے آپؐ کو سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

رحمت کے معنی بعض لوگوں نے یہ بنا لیے ہیں کہ بس ہمہ وقت تم پر نور کی بارش ہو رہی ہے، برکتیں نازل ہو رہی ہیں، فلاح و سعادت سایہ افگن ہے ___ اور کام کچھ نہیں۔ سب کچھ مفت!

رسولؐ رحمت اس کے لیے ہیں جو ان کے پیغام کو، اُن کی دعوت کو، ان کے درسِ اخلاق کو، ان کے نظامِ قانون کو دل سے اور زبان سے اور عمل سے مانے۔ جو نہ ماننے یا عملاً بات کو اختیار کرنے پر تیار نہ ہو، یا جو بھاری ڈیوٹی حضورؐ فلاحِ انسانیت کے لیے لگانا چاہتے ہیں، اُسے قبول نہ کرے، تو پھر خدا کی رحمت اس طرح تو نہیں بانٹی جاتی کہ وہ اندھے کی ریوڑیاں ہیں۔

رحمت کا لفظ خدا کے لیے بھی آیا ہے، رسولؐ کے لیے آیا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ لفظ خدا کی ہدایت اور کتاب کے لیے بھی آیا ہے۔ خدا کی کتاب یا ہدایت یا شریعت کے رحمت ہونے کے یہ معنی نہیں کہ آپ نے کتاب کو چُوم کر طاق پر رکھ دیا یا اسلام کے جادۂ ہدایت اور قانونِ حیات کے متعلق چند اچھے فقرے کہہ دیے یا غلبۂ اسلام کی تحریک کی شان میں اچھے اچھے شعر لکھ دیے تو اب گویا آپ پر رحمتوں کے دروازے کُھل گئے۔ کتاب پر عمل کریں گے تو رحمت ہوگی، ہدایت کے راستے پر چلیں گے تو رحمت ہوگی اور قانونِ اسلام کے غلبہ اور اجرا کی سعی کریں گے تو رحمت ہوگی۔

اِس بات کو سمجھنے میں شاید یہ حقیقت ممد ہوگی کہ حضورؐ کے رحمت ہونے کی حقیقت کی تفسیر اس آیت سے ہوگی "اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا" (البقرہ ۲: ۱۱۹) یعنی خدا نے آپ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ مضمون قرآن میں بہت سے مقامات پر وارد ہے۔ حضورؐ ایک گروہ کے لیے بشارت دینے اور رحمت کا پیغام سُنانے والے ہیں اور دوسرے کے لیے ڈرانے والے یا رحمت سے محرومی کے خطرے پر متنبہ کرنے والے ہیں۔

آپؐ کے دَورِ سعادت میں پہلا گروہ وہ تھا جو آپؐ کی دعوت پر ایمان لاکر پوری طرح اطاعت و اتباع کرتا تھا، یہ تھا رحمت والا گروہ ___ دوسرا گروہ وہ تھا جو نہ ایمان لاتا تھا، نہ اطاعت کرتا تھا۔ یہ تھا محرومِ رحمت گروہ ___ ابتدائی دَور میں صرف یہی دو گروہ تھے۔ کوئی تیسری قسم مسلمانوں کی نہ تھی۔ بعد میں منافقین کا ایک عنصر نمودار ہوا جو بظاہر مومن اور بباطن کافر لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد لمبے دَور میں فرقے اور طرح طرح بحثیں، کلامیات اور فقہیات میں پیدا ہوئیں۔ پھر مسلمانوں میں ملحدوں کے افکار اور بے دین لوگوں کے طور طریق پھیلنے لگے اور ان کی وجہ سے مزید رنگا رنگی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ بعد کے وہ تمام لوگ جو ایمانی معتقدات رکھتے ہوئے بے عملی اور بدعملی میں مبتلا ہوتے رہے، ان کے لیے اربابِ کلام و فقہ نے ایک نیا تصور پیدا کیا کہ وہ اپنی بدعملیوں اور کوتاہ عملیوں کی سزا پانے کے بعد (چاہے وہ پانچ لاکھ سال طویل ہو) محض اپنے ایمان کی وجہ سے بخش دیے جائیں گے اور اس طرح وہ رحمت سے بہرہ مند ہوجائیں گے۔ گویا دس ہزار سال یا ستر ہزار سال یا پانچ لاکھ سال کی شدید ترین تعذیب تو بس یونہی بچوں کا کھیل ہوگی[1]۔ پل میں اِس سے فارغ ہوکر رحمت کے چمنستانوں کا رُخ کریں گے۔

ہم دَورِ نبوت اور دَورِ رحمت و سعادت کے بعد پیدا ہونے والی ان اقسامِ مومنین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو عالمِ تصوّر میں مکّہ کے دارِ ارقم میں لے جائیں اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس طرح بیعتِ ایمان و اطاعت کریں، جس طرح مکّہ میں پائے جانے والے ایک ہی قسم کے مومنین و مسلمین نے کی تھی۔ اور عالمِ واقعہ میں دکھا دیا تھا کہ رسولؐ پر ایمان لانے والا اور رسولؐ سے محبت کرنے والا اور رسولؐ کے خدائی پروگرام پر نقطہ بہ نقطہ عمل کرنے والا اور جان، مال، گھر بار لٹا دینے والا اور بشارات

---

[1] ذرا ایسی بے خوفی اور بے پروائی رکھنے والے لوگ اپنی انگلی چراغ کی لَو پر دس منٹ تک رکھ کر تو دیکھیں۔

اور رحمتوں کا مستحق مومن کیسا ہوتا ہے؟

دیکھیے ہر نبیؑ اور رسولؑ نے اپنے وقت میں بنیادی دعوت کے اندر اطاعتِ رسولؑ کو شامل رکھا۔ ہر نبیؑ نے قوم سے خطاب میں کہا کہ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ (الشعراء ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۹)۔ ارشاد ہے کہ اللہ سے ڈرو اور (اس کے عذاب سے بچنے کے لیے) میری اطاعت کرو۔ یہ مضمون دوسرے مقامات پر بھی مختلف الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

بلکہ واضح طور پر قرآن میں خدا کی طرف سے اصول بیان کر دیا گیا کہ ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا کہ خدا کے اذن کے تحت جس کی اطاعت نہ کی جائے۔ یعنی نبوت کا لازمی حق اطاعت ہے۔

سورہ انفال میں ایک نکتہ خاص بیان ہوا ہے۔ فرمایا: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (آیت۔ ۶۴)۔ حضورؐ سے فرمایا گیا کہ آپؐ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین جو آپ کا اتباع کریں۔ دیکھیے، یہاں رسولؐ کا اتباع کرنے والے مومن الگ کر لیے گئے اور خاص ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ لوگ آپؐ کے کام کے ہیں۔

رسولؐ اللہ کا آدمی —— اور رسول اللہؐ کے کام کا آدمی وہ ہے جو ایمان لانے کے ساتھ آپؐ کا اتباع بھی کرے۔

محبتِ رسولؐ کی شان کا پُرخلوص اظہار حضورؐ کے اتباع سے ہوتا ہے۔

محبتِ رسولؐ کی ایک کسوٹی سورۂ فتح کی آخری آیت (۲۹) بھی ہے۔ اس میں توجہ طلب الفاظ "وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ" کے ہیں۔ آیت کلام کرتی ہے محمد رسول اللہ اور اُن کے ساتھیوں (یار رفقاء) کے متعلق۔ بنابریں یہاں آگے جو عملی اوصاف بیان ہوئے ہیں

وہ خدا کے اُن بندوں کو نمایاں کر کے دکھا دیتے ہیں جو حضورؐ کے ساتھ ہیں، ہم سفر ہیں، ہم قدم ہیں، ہم مقصد ہیں اور ہم آہنگ ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ ان اوصاف سے عاری ہوں گے وہ (چاہے مومنین ہی کی ایک قسم ہوں اور دُنیا و آخرت میں سزائیں بھگت کر دوزخ سے نجات پا ہی جائیں) حضورؐ کے مطلوب ساتھی نہیں ہیں۔ حضورؐ کو جیسے مردانِ حق کی ضرورت ہے اُن کی شان یہ ہے کہ اہلِ کفر اور اہلِ مخالفت کے لیے وہ نہ صرف جنگی قوت کے لحاظ سے زیادہ سخت ہیں، بلکہ اُن کے نظریات کو قبول کرنے، ان کے تہذیبی اطوار کو اختیار کرنے، ان کی معاشرتی رسوم کو جذب کرنے کے لحاظ سے بھی نہایت محکم ایمان اور مستحکم ذہنیت رکھتے ہیں۔ اُن کو تم ہمیشہ رکوع و سجود میں دیکھتے ہو کہ وہ اپنے رب کے لطف و رضا کے جویاں ہیں۔ سجدے کرنے سے اُن کی جبینوں پر نشان دکھاتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کا نقشہ تورات میں بھی بیان کیا گیا.... اور انجیل میں بھی ــــ یعنی تورات اور انجیل کی تعلیمات کا مقصد بھی ایسے ہی انسان پیدا کرنا تھا اور اُن کتابوں میں بھی ان کے اوصاف ایسے ہی بیان کیے گئے تھے۔ یا یہ اشارہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ اور ان کے ہمسفرانِ جادۂ حق کے ظہور کے بارے میں تورات میں بھی پیشگوئی ہے اور انجیل میں بھی۔

یہ بات تو واضح ہے کہ دین کی بنیادی صداقتیں ہر دَورِ نبوت میں یکساں رہی ہیں۔ اِسی سلسلے میں نبی و رسول اور پیرووں کا تعلق بھی آتا ہے۔ اور اس تعلق کی صحت خدا سے درستیٔ تعلق کی ضامن ہے۔ ایک خراب ہو تو دوسرا بھی خراب ــــ جو نبی کا سچا ساتھی ہوا وہ خدا کا بھی سچا بندہ اور حزب اللہ کا مخلص رکن اور شاھد علی الناس اور مجاھد بالباطل ہے۔

یہی مضمون ایک اور آیت کی روشنی میں چمک اُٹھتا ہے۔

بنی اسرائیل سے ایک میثاق لیا گیا تھا جس کا واسطہ ان کے بارہ نمائندہ نقیب بنے تھے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ اور تمہاری مدد کروں گا، بشرطیکہ تم میرے چند تقاضوں کو پورا کرتے رہو۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَکُمْ۔ اور خدا نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور اس کے بعد کلام اس لفظ سے چلتا ہے: "لَئِنْ" یعنی اگر تم یہ یہ کرو۔ کیا کیا کرو؟

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔

مطالبہ یہ ہوا کہ:

—— تم اقامت صلوٰۃ کرو،

—— تم زکوٰۃ دیتے رہو،

—— تم میرے رسولوں پر (گذشتہ اور آئندہ) ایمان لاؤ۔

—— اور مدد کرو ان کی (ان کے مشن کو غالب کرنے میں)۔

—— اور اللہ کی راہ میں انفاق کرتے رہو (خدا کو قرض دینے کا یہی مفہوم ہے)۔

اس میں آپ نے دیکھا کہ خدا نے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان کی دعوت و جہاد کی مہمات میں ان کی مدد کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور ساتھ ہی دوسری اہم چیزوں کا۔

بعض لوگوں نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ "وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَکُمْ" پر ایک جملہ ختم ہو گیا۔ آگے دوسری نئی بات ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر تم نے یہ اور یہ کچھ کیا، تو آیت کے آخری حصے میں جزا آتی ہے کہ میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو جنت میں داخل کر دوں گا۔

اس نادر تفسیر کے معنی یہ ہوئے کہ میں تو ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔ البتہ اگر تم نے یہ اور یہ امور انجام دیئے تو اس کے خاص بدلے پاؤ گے۔ کوئی ضروری نہیں کہ تم نمازوں اور زکوٰۃ کے چکر میں پڑو، لازمی نہیں کہ میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اور ضروری نہیں کہ انفاق کرو۔ ان کمیوں کے باوجود میں تمہاری پشت پر ہوں اور تمہارا امدادی ہوں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہو گی کہ آیت کے مطالبات کو اگر پورا نہیں کرو گے تو نہ تو تم سے تمہارے گناہ دور کیے

جائیں گے، نہ ان کی سزا سے تم بچ سکو گے اور نہ سیدھے جنت میں لے جائے جاؤ گے۔[1] لیکن میں (یعنی اللہ تعالیٰ)، پھر بھی تمہارے ساتھ ہوں، کیونکہ میرے ساتھ دینے کا معاملہ تمام عقائد و اعمال سے الگ ہے اور اسے ایک جداگانہ جملے میں بیان کیا گیا ہے جس میں کوئی شرط نہیں۔ یعنی میری حمایت و تائید اور حقیقت کو حاصل کرنے کے لیے کوئی امر بھی ضروری نہیں۔

کیا باقی سارا قرآن بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔

سیدھی سی بات ہے کہ ساری گفتگو اس میثاق سے متعلق جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اور اس میثاق کی دفعات میں سے ایک "اِنِّیْ مَعَكُمْ" ہے۔ پھر آگے دوسری دفعات ہیں اور سب مل کر ایک میثاق بنتی ہیں۔ کسی گرامر کے زور سے ایک میثاق میں سے جملوں کو توڑ کر الگ نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال اس آیت نے یہ شہادت دی کہ خدا کے رسولوں پر ایمان لا کر ان کی مہم میں ان کی بھرپور مدد کرنا خدا کی نصرت و تائید حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ معیتِ رسولؐ اور معیتِ خدا دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔

---

[1] بلکہ نقضِ میثاق کی مزید سزا یہ بھی ہے کہ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ...... الخ یعنی ان پر لعنت برسائی گئی، ان کے دل پتھر ہو گئے، خدا کے کلام میں گڑبڑ کر کے اس کے اجزا کو اِدھر سے اُدھر کر دیتے تھے۔ اور جو کچھ ذکر (اور تعلیمِ حق) کی دولت اُن کو عطا کی گئی تھی، اس کے ایک حصے کو انہوں نے فراموش کر دیا۔ اور اب کوئی وقت نہیں جاتا کہ تم کو ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع نہ ملتی ہو، ہاں تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جس گروہ کا یہ حال ہوا ہو، اللہ کا اس کے ساتھ ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

اِن چیزوں کو سامنے رکھ کر میلادِ رسولؐ کی صبح سعادت سے پوچھیے کہ رسولؐ کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہونا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقصد کے لیے کلمہ کا پیغام پھیلایا، ایمان کی دعوت دی، لوگوں سے بیعت لی، ان کی تربیت کی، اُن کو منظم کیا اور ان سے پورا تعاون طلب کیا، ان کو شہادت علی الناس کے منصب پر قائم کیا۔ اُن کو اُمتِ وسط کی ذمہ داریاں سونپیں اور پھر جائے نماز سے میدانِ جہاد تک کے مراحل طے کیے۔ اور جس مقصد کے لیے ان کو پکارا کہ آؤ اللہ کے انصار بنو، مددگار بنو، وہ مقصد وہی تھا جو تمام انبیاء و رسل کا تھا، یعنی لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوجائیں۔ اس غرض کے لیے ضروری تھا کہ کوئی فتنہ (مزاحمت کرنے والی قوت) باقی نہ رہے، اور نورِ خداوندی کی تجلیات کا اتمام ہو اور اسلام ایک دین اور تہذیب کی حیثیت سے ہر دوسری فکری یا سیاسی قوت کے مقابلے میں غالب ہوجائے۔

اب بیٹھ کر سوچیے کہ جس رسولؐ کی محبت میں جلوس نکل رہے ہیں اور جھنڈیاں اور ہار تیار ہو رہے ہیں، اس سے صحیح طریقِ معاملہ کیا ہے۔ اس سے آپ کا تعلق کیا ہونا چاہیے آپ کی دلچسپیاں کس طرح کی ہوں، آپ کی سوچ بچار اور آپ کی تگ و تاز کا سب سے بڑا محرک کیا ہو؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے لوگوں کو اپنے ساتھ لینا چاہتے ہیں اور کیسے لوگوں کا تعاون انہیں فلاحِ انسانیت کی مہم میں درکار ہے۔ اس کے لیے قرآن نے اپنے کلام میں بہت سی صفاتی تصویریں بنا کر ہمارے سامنے رکھ دی ہیں۔ قرآن پڑھتے ہوئے ان سب پر غور کیجیے۔ یہاں صرف ایک مقام کا مفہوم (الاحزاب: ۳۵) اپنے الفاظ میں

بہ طور ترجمانی پیش کرتا ہوں :

اسلام پر کار بند مرد ، اور اسلام پر کار بند عورتیں۔
نورِ ایمان سے بہرہ ور مرد ، اور نورِ ایمان سے بہرہ ور عورتیں۔
خدا کی بندگی اختیار کرنے والے مرد ، اور خدا کی بندگی اختیار کرنے والی عورتیں
راستی پر قائم مرد ، اور راستی پر قائم عورتیں۔
صبر کیش مرد ، اور صبر کیش عورتیں۔
نمازوں میں خشوع اور خلق کے ساتھ تواضع کا رویہ اختیار کرنے والے مرد ، اور نمازوں میں خشوع اور خلق کے ساتھ تواضع کا رویہ اختیار کرنے والی عورتیں۔
صدقہ و خیرات کرنے والے مرد ، اور صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں۔
روزہ دار مرد ، اور روزہ دار عورتیں۔
اپنی عصمتوں کے محافظ مرد ، اور اپنی عصمتوں کی محافظ عورتیں۔
اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد ، اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والی عورتیں۔
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم مقدر ہے۔

ہم سب پر لازم ہے کہ یہ کسوٹی سامنے رکھیں اور سوچیں کہ محبتِ رسولؐ کے اس پیمانے پہ ہمارے خیالات و مقاصد اور مشاغل اور سرگرمیوں کا کیا حساب بنتا ہے؟

ایک دلچسپ بات کہ اس صفاتی خاکے کے خاتمے پر بھی رسالت کے مخصوص استحقاق کا ذکر ہے۔ آیت " وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ .... الخ (الاحزاب : ۳۶) میں دین کا یہ اٹل اصول قاعدہ بیان بیان کیا گیا ہے کہ تمام نماز روزے ، صبر ، انفاق ، حیاداری اور دوسرے بہترین اعمال سے بھی بات اسی وقت بنتی ہے۔ جب رسولؐ سے اپنا تعلق درست کیا جائے۔ متذکرہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ خدا اور رسولؐ کی طرف سے کسی معاملے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد ان کو اپنے امر و مفاد کے لیے فیصلے میں دخل

دینے کا (یا ردّ و قبول) کا کچھ بھی اختیار رہے۔

جس معاملے میں خدا تعالیٰ کا واضح فیصلہ موجود ہے، وہاں آپ سر جھکا دیں۔

جس معاملے میں رسول اللہ کا ثابت شدہ فیصلہ سامنے آجائے وہاں دم بخود اور مہر بلب ہو کر تسلیم کریں۔

براہِ راست ان فیصلوں کو اپنے لیے بدلنا، ان پر نکتہ چینی کی یا اُن کے صریح مفہوم کے بالمقابل من گھڑت تاویلوں کے بل پر کوئی نرالا مفہوم اختیار کر لیا اور صحابہ و تابعین اور مفسرین و محدثین اور آج تک کے بڑے بڑے قاضیوں (ججوں) اور مفتیوں (قانون دانوں) کی محنتوں اور کاوشوں کو مسترد اور ان کے اتفاقِ رائے کو کالعدم قرار دے دیا تو گویا اپنی حیثیت سے تجاوز کیا۔ اِس تجاوز کے بعد آدمی کو سوچنا چاہیے کہ کس آسمان کے نیچے اور کس زمین کے اُوپر اُسے پناہ ملے گی۔

آخرت کے لمحۂ احتساب میں کھلے کافروں اور ظالموں کو تو جو کچھ بھگتنا ہے، اس کا اندازہ سورۃ الفرقان کے چند الفاظ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ "یَوْمًا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا" وہ دن کفّار پر بڑا بھاری ہوگا۔ دوسرے نمبر پر ظالموں کا ذکر ہے جو اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائے گا۔ اور کہے گا کہ "یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا" یعنی اے کاش! میں رسولؐ کے ساتھ اس کے راستے پر چلا ہوتا۔ پھر ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے کہ جب وہ لوگ آئیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ اے میرے ربّ میرے ان لوگوں نے اس قرآن کو متروک و مہجور (چھوڑ) دیا۔ یعنی قرآن کوئی اور راستہ بتاتا رہا اور یہ کسی اور طرح عمل کرتے رہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ میں اس آیت کے متعلق (فائدہ نمبر ۱۱۔ ص ۴۷۰، ۴۶۹) بطور تنبیہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے، تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیحِ قراءت کی طرف توجہ نہ دینا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجرانِ قرآن کے تحت میں داخل

ہو سکتی ہیں ۔

یعنی یہ پہلو واضح ہو گیا کہ قرآن سے مفارقت کی بہت سی صورتیں مسلمانوں میں بھی پائی جا سکتی ہیں ۔ اور ان پر بھی آیت متذکرہ کا اطلاق ہو سکتا ہے ۔

اس حقیقت کی تائید ایک اور آیت سے ہوتی ہے جو بتاتی ہے کہ مسلمانوں کا یہ طریقہ نہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات سنائی جائیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان کے لیے گر پڑیں ۔ (الفرقان - آیت ۷۳)

بالفاظ مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ مطلوب یہ ہے کہ اہلِ ایمان قرآن کو نہایت فکر و تدبر اور دھیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں ۔ مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں ۔

یعنی قرآن کے سامنے یہ معاملہ کہ اس کے لیے آدمی پتھر بن جائے ، اس کا دل اور ذہن جامد ہو جائیں ، وہ اس میں فکر و تدبر نہ کرے ، وہ اس کے احکام کی تعمیل نہ کرے اور اس کے منہیات سے اجتناب نہ کرے تو پھر معاملہ وہی ہجران کا ہوا - اور جہاں نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ تلاوت کا رشتہ بھی باقی نہ رہے ، وہاں تو ہجرانِ کامل ہو گیا ۔

تو اس ساری گفتگو کا مقدمہ یہ ہے کہ ہم اس مصیبت سے دوچار نہ ہوں جس کا سامنا کرتے ہوئے ظالم کہیں گے کہ: يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا

ہمارا اہم فریضہ معیتِ رسولؐ یا نصرتِ رسولؐ یا تائیدِ رسولؐ ہے ۔ ہمیں قافلۂ رسالت کے ساتھ ہو کر صراطِ مستقیم پر چلنا چاہیے ۔ صرف یہی صورت ہے کہ محبت اور طاعت دونوں مل کر ایک چیز بن جاتی ہیں ۔

ہر ربیع الاول کو گزار کر دیکھیے کہ وہ آپ کو معیتِ رسولؐ اور طاعتِ رسولؐ اور ایسی حقیقی محبتِ رسولؐ کے مراحل کس قدر طے کرا گیا ہے ۔ یا آپ اس میں جہاں تھے ، وہاں اس سے بھی پیچھے آ گئے ۔ خارجی رونقوں اور تماشوں میں نہ کھو جائیے ، اپنے داخلی احوال کا جائزہ لیجیے ۔

(ادارہ)

حکمتِ سیّد مودودیؒ

اِسلام اور مغربی تہذیب کا تصادم

اب اسلام اور مغربی تہذیب کا تصادم ایک دوسرے ڈھنگ پر ہو رہا ہے۔ یقیناً مغربی تہذیب کسی حیثیت سے بھی اسلام کے مقابلہ کی تہذیب نہیں۔ اگر تصادم اسلام سے ہو تو دنیا کی کوئی قوت اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ مگر اسلام ہے کہاں؟ مسلمانوں میں نہ اسلامی سیرت ہے، نہ اسلامی اخلاق، نہ اسلامی افکار ہیں نہ اسلامی جذبہ۔ حقیقی اسلامی رُوح نہ اُن کی مسجدوں میں ہے نہ مدرسوں میں، نہ خانقاہوں میں۔ عملی زندگی سے اسلام کا ربط نہیں رہا۔ اسلام کا قانون نہ ان کی شخصی زندگی میں نافذ ہے نہ اجتماعی زندگی میں۔ تمدن و تہذیب کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا نظم صحیح اسلامی طرز پر باقی ہو۔ ایسی حالت میں دراصل مقابلہ اسلام اور مغربی تہذیب کا نہیں، بلکہ مسلمانوں کی افسردہ، جامد اور پس ماندہ تہذیب کا مقابلہ ایک ایسی تہذیب سے ہے جس میں زندگی ہے، حرکت ہے، روشنیٔ علم ہے، گرمیٔ عمل ہے۔ ایسے نامساوی مقابلہ کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے، وہی ظاہر ہو رہا ہے۔ مسلمان پسپا ہو رہے ہیں، ان کی تہذیب شکست کھا رہی ہے، وہ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب میں جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کے دلوں اور دماغوں پر مغربیت مسلط ہو رہی ہے۔ ان کے ذہن مغربی سانچوں میں ڈھل رہے ہیں۔ ان کی فکری و نظری قوتیں مغربی اُصولوں کے مطابق تربیت پا رہی ہیں۔ ان کے تصورات، ان کے اخلاق، ان کی معیشت، ان کی معاشرت، ان کی سیاست، ہر چیز مغربی رنگ میں رنگی جا رہی ہے۔ ان کی نئی نسلیں اس تخیل کے ساتھ اُٹھ رہی ہیں کہ زندگی کا حقیقی قانون وہی ہے جو مغرب سے ان کو مل رہا ہے۔ یہ شکست دراصل مسلمانوں کی شکست ہے، مگر بدقسمتی سے اس کو اسلام کی شکست سمجھا جاتا ہے۔ (تنقیحات)

اسلام میں اختلاف کے آداب

(۸)

فقہاء کا اختلاف اور اس کے آداب (۲)

ترجمہ وتلخیص جناب عبدالحی ابڑو صاحب - اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد-

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: مالک بن انس میرے استاد ہیں، انہی سے میں نے علم حاصل کیا ہے، علماء کے حلقہ میں وہ ایک روشن ستارے کی مانند ہیں۔ میرے نزدیک اُن سے بڑھ کر قابلِ اعتماد اور بھروسہ کے لائق کوئی نہیں۔

نیز وہ کہا کرتے تھے: اگر مالکؒ کے واسطے سے کوئی حدیث تم تک پہنچے تو اُسے مضبوطی سے تھام لو، اس لیے کہ انہیں جب کسی حدیث کی صحت کے بارے میں ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو اُسے مکمل طور پر چھوڑ دیتے تھے[1]

امام احمدؒ بن حنبل اور امام مالکؒ ابوزرعہ دمشقی سے روایت ہے: ایک مرتبہ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ اگر سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ کا کسی روایت کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو آپ کے نزدیک کون قابلِ ترجیح ہے؟ امام احمدؒ نے فرمایا: میرے دل میں امام مالکؒ کی زیادہ عظمت ہے۔ پھر میں نے پوچھا: مالکؒ اور اوزاعیؒ اگر آپس میں اختلاف کریں؟ آپ نے جواب دیا: "مالکؒ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں، اگرچہ اوزاعیؒ بھی اپنی جگہ

---

[1] انتقاء ص: ۲۳

امام ہیں۔ پھر پوچھا گیا: ابراہیم نخعیؒ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ (یہ سوال شاید اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر کیا گیا تھا کہ ابراہیم نخعیؒ اور امام مالکؒ نہ تو ہم عصر تھے اور نہ ہی ان دونوں کا علمی میدان مشترک تھا)۔ امام احمدؒ نے کہا: ان کے بارے میں ان کے اپنے معاصرین کے حوالے سے بات کرو۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص صرف کسی ایک محدث کی روایات حفظ کرنا چاہے تو آپ کی نظر میں ایسا محدث کون ہو سکتا ہے؟ انھوں نے کہا: میں امام مالکؒ کی روایات کے حفظ کا مشورہ دوں گا۔[1]

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بعض علماء کی آراء

حضرت شعبہؒ بن الحجاج علم حدیث میں امیر المومنین کا درجہ رکھتے تھے۔ اور اہل الرائے میں امام اعظمؒ کا جو مرتبہ و مقام ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دونوں کے نقطۂ نظر میں اس واضح فرق کے باوجود حضرت شعبہؒ امام ابوحنیفہؒ کے علم و فضل کے بڑے قدردان تھے۔ دونوں حضرات کے درمیان باہمی محبت تھی اور خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ وہ امام ابوحنیفہؒ کو ثقہ قرار دیتے تھے۔ اور ان سے حدیث بیان کرنے کو کہا کرتے تھے۔ انھیں جب امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمایا: اُن کے ساتھ ہی کوفہ کا فقہ بھی رخصت ہو گیا، انھیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازے۔[2]

یحییٰ بن سعید القطان سے ایک شخص نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: بخدا، اُن کی اچھی بات کو قبول کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ائمہ کرام اختلافِ رائے کے باوجود ایک دوسرے کی اچھی باتیں قبول کر لیتے تھے، ان کی فضیلت بیان کرتے، اور ان کے اقوال انھی کی طرف منسوب کرتے تھے۔

مشہور بزرگ، عابد و زاہد اور مجاہد حضرت عبداللہؒ بن المبارک سے امام ابوحنیفہؒ کی

---

[1] انتقاء ص: ۳۰

[2] ایضاً ص ۱۲۶

تعریف و توصیف میں کئی روایات نقل ہوئی ہیں - وہ امام صاحب کا تذکرہ بہت اچھے انداز میں کرتے اور ان کی راست روی و پاکبازی بیان کرتے تھے، ان کی مدح میں رطب اللسان رہتے اور ان کے اقوال کو قبول کرتے تھے - اپنی مسجد میں ان کے خلاف کوئی بات گوارا نہیں کرتے تھے - ایک مرتبہ ایک شریک مجلس نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اشارۃً نامناسب بات کرنا چاہی تو انہوں نے اُسے فوراً ٹوک دیا اور کہا: خاموش رہو، اگر تمہیں ابوحنیفہؒ کی زیارت نصیب ہوتی تو تمہیں (ان کی ذات میں) علم و فضل ہی نظر آتا -

امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: امام مالکؒ سے ایک مرتبہ عثمان بتی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: وہ متوسط درجے کی صلاحیت کے مالک ہیں - پھر ابن ابی شبرمہؒ کے بارے میں پوچھا گیا تو بھی انہوں نے یہی جواب دیا - اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اگر وہ مسجد کے (مٹی اور کنکر سے بنے ہوئے) ان ستونوں کو لکڑی کے ستونوں پر قیاس کرتے ہوئے اپنا استدلال پیش کریں تو بھی ان کے استدلال میں اس قدر قوت ہوگی کہ تمہیں ان کے استدلال کو تسلیم کرنا پڑے گا۔[1] امام شافعیؒ سے مروی یہ مقولہ تو بہت مشہور ہے کہ .... فقہ میں لوگ ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔[2]

ان حضرات کی مجلسوں میں تمام حضرات کا ذکر اچھائی ہی سے ہوا کرتا تھا - اگر کوئی شخص ائمہ کے بارے میں حدودِ ادب سے تجاوز کرنے کی کوشش کرتا تو اُسے راہ راست پر لگا دیا جاتا تھا - اسی طرح کسی امام کے بارے میں ناپسندیدہ بات کرنے والے کو فوراً روک دیا جاتا تھا - مثال کے طور پر ایک بزرگ فضلؒ بن موسیٰ السینانی سے پوچھا گیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ناپسندیدہ باتیں کرنے والوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے

[1] انتقاء ص ۱۴۷
[2] ایضاً ص ۱۳۶

جواب دیا: ابوحنیفہؒ نے وہ تمام علم پیش کر دیا جسے یہ لوگ جانتے تھے یا جس سے ناواقف و ناآشنا تھے اور ان کے لیے کچھ رہنے نہیں دیا اس لیے لوگ اُن سے حسد کرنے لگے۔[1]

یہ اقوال ان ائمہ حدیث کے ہیں جو امام صاحب کی بہت سی آرا سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس اختلاف کے باوجود انہوں نے امام صاحب کی تعریف و توصیف کی اور ان کی خوبیوں کا برملا اظہار کیا۔ کیونکہ ان کے باہمی اختلاف کا سبب نہ تو نفسانی خواہشات تھیں اور نہ ہی تفوق و برتری کی آرزو۔ بلکہ تمام حضرات تلاشِ حق ہی کو اپنی متاعِ گم شدہ سمجھتے تھے۔ یہ آدابِ حسنہ اگر ان کے اندر نہ پائے جاتے تو بہت سے علماء سلف کا فقہی ورثہ ناپید ہو چکا ہوتا۔ ایک دوسرے کا دفاع بھی وہ اسی لیے کرتے تھے کہ اُمت کے اس گراں قدر اثاثے کی جس کے ذریعے ہی سے اس اُمت کا نظامِ زندگی راہ راست پہ قائم رہ سکتا ہے، حفاظت کا اہتمام ہو سکے۔

امام شافعیؒ کے بارے میں بعض علماء کی آراء

امام ابن عیینہؒ جیسے بلند مرتبہ و مقام رکھنے والے عالم و فقیہ کے سامنے جب تفسیر اور فتوٰی کا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو امام شافعیؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے: ان سے پوچھو۔ آپ کے بارے میں اکثر کہا کرتے: یہ اپنے وقت کا سب سے بہتر نوجوان ہے۔ آپ کی وفات کی خبر سن کر فرمایا: محمدؐ بن ادریس (شافعی) کے انتقال سے زمانے کا سب سے بہتر شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

یحییٰ بن سعید القطان کہا کرتے تھے: "میں اپنی نماز میں بھی شافعیؒ کے لیے دعا کرتا ہوں"۔ ایک دوسرے عالم عبداللہ بن عبدالحکم اور ان کا صاحب زادہ مسلک کے لحاظ سے امام مالکؒ کے پیروکار تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے بیٹے کو امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کرتے ہوئے کہا تھا: ان (شافعیؒ) کا دامن تھامے رہو۔ علمِ اُصول (یا اُصول فقہ) کا ان سے بڑھ کر عالم میں نے کوئی نہیں پایا"۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کی اس نصیحت پہ عمل کیا۔ اور اس کا انہیں بہت فائدہ بھی پہنچا جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں: "اگر امام شافعیؒ

---

[1] انتقاء ص ۱۳۶

نہ ہوتے تو مجھے کسی کی بات کا جواب دینا تک نہ آتا، یہ سب کچھ میں نے انھی سے سیکھا۔ انہوں نے ہی مجھے "قیاس" سکھایا۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ بلاشبہ وہ سنت و آثار میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اپنی ذات میں فضیلت و خیر سموئے ہوئے تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ فصیح زبان اور محکم و مستقیم عقل کے مالک تھے۔[1]

امام احمدؒ و شافعیؒ

امام احمدؒ کے فرزند عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابا جان سے پوچھا: یہ شافعی کون ہیں جن کے لیے آپ بکثرت دعا مانگتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: بیٹے، شافعیؒ دنیا کے لیے آفتاب اور نوعِ انسانی کے لیے سلامتی و عافیت کی مانند تھے، کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی بدل ہو سکتا ہے؟"

صالح بن امام احمدؒ کہتے ہیں کہ یحییٰؒ بن معین نے ایک دفعہ میرے ساتھ ملاقات کے دوران میں کہا: "کیا آپ کے والد (امام احمدؒ) اپنے رویے پر شرماتے نہیں؟" میں نے پوچھا: "کیا بات ہے؟" انہوں نے کہا: میں نے انھیں ایک روز اس حال میں دیکھا کہ شافعیؒ سوار ہیں اور یہ ان کی سواری کی لگام تھامے ہوئے پیدل چل رہے ہیں۔ اس بات کا تذکرہ میں نے اپنے والد صاحب (امام احمدؒ) سے کیا تو انہوں نے فرمایا: اگر ملاقات ہو تو میری طرف سے انھیں کہہ دینا کہ اگر علم و تفقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آکر تم بھی دوسری طرف سے ان کی رکاب تھام لو۔[2]

ابوحمیدؒ بن احمد البصری کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ امام احمدؒ سے کسی مسئلے کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ ایک شخص نے ان سے کہا: ابوعبداللہ کیا اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا: یہ درست ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں، مگر اس سلسلے میں امام شافعیؒ کا یہی قول ہے اور اس میں ان کی دلیل سب سے مضبوط ہے اور امام شافعیؒ وہ شخص ہیں جن سے ایک مرتبہ چند مسائل کے بارے میں ان کی رائے

[1] انتقاء ص: ۷۳

[2] ایضاً ص: ۷۳

پوچھی تو انہوں نے ان مسائل کے مدلل جوابات دیئے اور جب میں نے ان کے مآخذ کے بارے میں پوچھا کہ اس سلسلے میں کوئی قرآنی آیت یا حدیث ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں، اور پھر فوراً ایک حدیث پیش کر دی جس میں وضاحت کے ساتھ مسئلہ کا حل موجود تھا۔[1]

امام احمدؒ فرماتے ہیں: "مجھے اگر کسی مسئلہ کے بارے میں کسی حدیث کا علم نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں: اس بارے میں شافعیؒ کا قول یہ ہے۔ اس لیے کہ وہ قریش کے نمایاں عالم اور امام ہیں"[2]

داؤد بن علی اصبہانی اسحاقؒ بن راہویہ کا قول بیان کرتے ہیں کہ ان سے مکہ مکرمہ میں احمدؒ بن حنبل ملے اور کہا: آیئے، میں آپ کو ایسے شخص کی زیارت کراتا ہوں، جس کی نظیر آپ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ پھر انہوں نے میری (امام) شافعیؒ سے ملاقات کرائی۔

ہوسکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام شافعیؒ کے بارے میں امام احمدؒ کی یہ رائے اس لیے تھی کہ وہ ان کے استاد تھے لہٰذا کوئی شاگرد اگر اپنے استاد کا مداح اور اس کے علم و فضل کا معترف ہو تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ لیکن دوسری طرف امام شافعیؒ بھی حضرت امام احمدؒ بن حنبل کے فضل اور علم حدیث میں ان کی مہارت کے یکساں طور پر معترف تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ ان سے مخاطب ہو کر کہا تھا: آپ حدیث اور علم رجال کے متعلق خود مجھ سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں، اگر حدیث صحیح ہو تو مجھے اس کے متعلق آگاہ کریں، چاہے وہ حدیث کوفہ سے تعلق رکھنے والے کسی محدث نے روایت کی ہو یا بصرہ و شام سے تعلق رکھنے والے، اگر صحیح ہوگی تو میں اسے اختیار کرلوں گا۔[3] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ استاد اور شاگرد

[1] آداب الشافعی و مناقبہ ص ۸۶ - ۸۷

[2] حاشیہ آداب الشافعی و مناقبہ ص ۸۶

[3] الانتقاء: ۷۵

کا نہیں تھا، اعترافِ کمال کا تھا۔

امام شافعیؒ جب امام احمدؒ سے کوئی روایت بیان کرتے تو تعظیماً ان کا نام نہ لیتے بلکہ کہتے: ہمیں ایک ثقہ (قابل اعتماد) شخص نے یہ حدیث بتائی ہے وغیرہ وغیرہ۔[1]

خلاصۂ کلام

اس سرسری جائزے سے اسلاف کرام کے آدابِ اختلاف کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان حضرات کے اعلیٰ اخلاق پر اجتہادی مسائل میں اختلافِ رائے کبھی طرح بھی اثرانداز نہیں ہوسکا۔ اس لیے کہ ان کی تربیت درس گاہ نبوی میں ہوئی تھی جس کی وجہ سے نفسانیت ان پر غلبہ نہ پاسکی۔ آج جب کہ اپنے مسائل و معاملات میں ہم افتراق و انتشار کا شکار ہیں ہمیں سلفِ صالحین کے ان بلند آداب اختلاف کے سایہ دار درخت کا سہارا لے کر اپنے آپ کو ان آداب و اخلاق سے آراستہ کرنا چاہیے، جن سے وہ متصف تھے۔ اسی پر اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا انحصار ہے۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ بعض مواقع پر ان آداب کا پورا پورا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ لیکن یہ طرزِ عمل بعد کی صدیوں سے متعلق ہے جن میں تقلید و تعصب کا چلن عام ہوچکا تھا۔ اس زمانے کے علماء و مقلدین اختلاف کے پیچھے کارفرما اسباب کی حقیقت اور روح کو سمجھ نہ سکے اور ان آدابِ عالیہ کے مقصد و منشا تک رسائی حاصل نہ کرسکے جو صرف تلاشِ حق کے سچے جذبے کا نتیجہ تھے۔ غالباً امام غزالیؒ نے ایسے افراد ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: وہ فقہاء جو مطلوب تھے، اب طالب بن گئے۔ وہ حکمرانوں اور امراء سے دُور رہنے کی وجہ سے باعزت تھے، مگر اب ان کی رضاجوئی کرکے ذلیل و خوار ہونے لگے ہیں۔

مطلوب شخص چونکہ اپنے نفس کا مالک ہوتا ہے اس لیے وہ حق و راستی کی راہ پر گامزن رہتا ہے، جب کہ طالبِ دُنیا ضمیر فروش ہوتا ہے، اس کے خریدار کو جو بات اچھی لگے وہی اس کی زبان پر جاری ہوتی ہے۔ ایسے طالبانِ دُنیا کی کارستانیوں ہی کا نتیجہ برآمد ہوا کہ جو

(باقی ص ۴۸)

[1] مناقب الامام احمد (ابن الجوزی)، ص ۱۱۲

قرآن کا تصوّرِ علم

جناب ڈاکٹر سید مسعود احمد صاحب

(۳)

علوم کی اشاعت میں قرآن کا رول چونکہ قرآن کا مخاطب انسان ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا خصوصی مظہر ہے۔ نیز وہ خلافتِ الٰہی کے منصب عالیہ سے نوازا گیا ہے اور تسخیرِ کائنات کی شدید خواہش رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی بھی ہے کہ "عنقریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے"۔ (حم السجدہ: ۵۳)۔ اور سب سے اہم دلیل یہ کہ قرآن کے نزدیک علم کی فضیلت مسلّم ہے (الزمر: ۹)[۱]۔ ان تمام اُمور کا تقاضا ایک تو یہ ہے کہ قرآن علم کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرے دوسرے یہ کہ ان تمام علوم کے فروغ و اشاعت میں اہم رول ادا کرے جو انسان کے لیے مفید ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ قرآن زندگی کا ایک مکمل نظام پیش کرتا ہے۔ اس لیے اس نے معاشیات (الاعراف۔ ۱۲)[۲]، سیاسیات (آل عمران: ۲۶)[۳] تعزیری قوانین (البقرہ: ۱۷۸، ۱۷۹)[۴]

---

[۱] مزید دیکھیں الرعد: ۱۲ - المجادلہ: ۱۱ - الکہف: ۱۱۴ - الحجرات: ۱۳

[۲] مزید دیکھیں النحل: ۷ - البقرہ: ۱۶۸، ۱۸۲، ۱۸۸، ۲۷۵ - التوبہ: ۳۴، ۳۵، ۶۰ - الحشر: ۷

[۳] مزید ملاحظہ ہو آل عمران: ۱۰۴، ۱۸۹ - الحج: ۴۱ - الاحزاب: ۳۶ - توبہ: ۱۱۲ -

الانعام: ۸۵ - بنی اسرائیل: ۲۴، ۳۴ - الممتحنہ: ۸ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

قانونِ وراثت (النساء: ۷، ۹) عدلیہ (النحل: ۹۴)[1] - انتظامیہ (الاحزاب: ۳۶)[2] سائنس فلسفہ (الانبیاء: ۲۱)[3] - اصولِ جنگ (النساء: ۵۹ - الحجرات: ۹) - اصولِ امن (المائدہ: ۳۳)[4] علومِ روحانی (العنکبوت: ۱۷)[5] - علومِ مادی (حٰم السجدہ: ۱۱)[6] - اخلاقیات (الحجرات: ۱۱، ۱۲)[7] معاملات (بنی اسرائیل: ۳۴، ۳۶)[8] تاریخ وسیر، علومِ آثار (الاعراف: ۱۷۶)[9] علومِ نفسیات، (بنی اسرائیل: ۱۱، ۷۶)[10] علومِ عمرانیات (آل عمران: ۱۱۰)[11] وغیرہ مختلف علوم سے بحث کرتا ہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں راہِ حق دکھاتا ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک مکمل کتاب ہے۔ (البقرہ: ۲۰۸)[12]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

۴۲ مزید دیکھیں۔ المائدہ: ۳۸ - النور: ۲، ۴، ۵

حواشی صفحہ ہذا

۱ - مزید دیکھیے المتحنہ: ۸۰ - الحدید: ۲۵ - النساء: ۵۹

۲ مزید دیکھیے - المائدہ: ۳۳ - النور: ۵۵ - القصص: ۴

۳ مزید دیکھیں - الانعام: ۳۸ - یٰس: ۴۰ - الرعد: ۲ - الطلاق: ۱۲ - النحل: ۷۹، نیز ملاحظہ ہو راقم کا مضمون بعنوان "سائنسی تحقیقات کا قرآنی محرک" تحقیقاتِ اسلامی جولائی، ستمبر ۱۹۸۴ء

۴ مزید ملاحظہ ہو النور: ۲۷، ۲۸، ۵۵ - القصص: ۴ - الذاریات: ۱۹ - المعارج: ۲۵

۵ نیز ملاحظہ ہو الزمر: ۲-۳-۱۱-۱۴ - البقرہ: ۱۳۶، ۱۷۷، ۱۸۳ -

۶ مزید دیکھیے الرعد: ۲ - الانبیاء: ۲۱ - الطلاق: ۱۲

۷ مزید دیکھیے بنی اسرائیل: ۵۳، ۱۵۳ النساء ۵، ۹ - الاحزاب: ۷۰ - البقرہ: ۱۰۹، ۲۳۷ - النور: ۲۲

۸ مزید دیکھیے البقرہ: ۸۸، ۱۷۷، ۲۱۵ - الشوریٰ: ۳۸ - الحجرات: ۱۰

۹ مزید دیکھیے المائدہ: ۲۷ تا ۳۰ - ہود: ۱۰۰ - یوسف: ۳، ۱۱۱ - آلِ عمران: ۱۳

۱۰ مزید دیکھیے ابراہیم: ۳۴ - الاحزاب: ۷۲ - الکہف: ۵۴ - المعارج: ۲۱ - العادیات: ۸

۱۱ مزید دیکھیے النساء: ۱، ۳، ۲۵ - النور: ۲۳ - الشوریٰ: ۳۸ - الذاریات: ۱۹: التوبہ: ۷۱

رہا علومِ انسانی کے فروغ و اشاعت میں قرآن کا رول تو یہ بھی بلا خوف۔ تردید عرض کیا جاسکتا ہے کہ قرآن اس شعبۂ علم کے فروغ میں مہمیز لگاتا ہے جس سے نوعِ انسانی کو فائدہ پہنچے گذشتہ صفحات میں علم کی اہمیت پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ قرآن کے تقاضوں کو سب سے زیادہ سمجھنے والے یعنی خود صاحبِ قرآن (البقرہ: ۹۰)[1] حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ۱۔ علم کا حصول ہر مسلمان پر فریضہ ہے"[2] ۲۔" میری بات پہنچا دو چاہے ایک ہی آیت ہو"[3] حاضر غائب تک پہنچا دے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ براہ راست سننے والے سے زیادہ حافظہ رکھتا ہو"۔ ۴۔ عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو تاروں پر بدر کامل کی ہے[4] حضور اکرمؐ نے اپنے اقوال کے لکھنے کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "خدا کی قسم! محمدؐ کی زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا" نیز طالب علم کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ گویا" وہ اس شخص کی طرح ہے جو رات بھر نوافل اور دن بھر روزہ رکھتا ہو۔

حضور اکرمؐ کے یہ ارشادات قرآن کے منشاء کی وضاحت کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، بلکہ آپؐ پر جو وحی کی جاتی ہے وہی فرماتے ہیں، (النجم: ۳، ۴)۔ خود قرآن مجید نے رسولِ اکرم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی سے تعبیر کیا (النساء: ۸۰۔ الاحزاب: ۳۶)۔

قرآنِ پاک کی متعدد آیات انسان کو کائناتی حقائق، تاریخی واقعات اور خود اس کے نفس کے کمالات و عجائبات پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں (البقرہ: ۱۶۴)[5] اور اس غور و فکر کے

---

[1] مزید دیکھیے الاعراف: ۲۔ النحل: ۴۴۔ محمد: ۲

[2] ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان۔

[3] بخاری

[4] ترمذی، دارمی

[5] مزید دیکھیے آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱۔ الاعراف: ۱۹۱۔ حم السجدہ: ۵۳، ۵۴۔ الذاریات: ۲۰ تا ۲۳ وغیرہ۔

نتیجہ ہیں تحقیق و تفصیل کے دروازے کھلتے ہیں۔ محقق ان مظاہرِ الٰہیہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے تجرباتی و فکری کاوشیں کرتا ہے۔ مزید برآں قرآن انسان کو تسخیرِ کائنات کے لیے ابھارتا ہے۔ (النحل: ۱۲ ؛ لقمان: ۲۰) جس کا لازمی تقاضا کائناتی علوم کے حصول و فروغ کی تحریک فراہم کرتا ہے۔ قرآن انسانی و کائناتی علوم کے حصول و فروغ پر کس طرح ابھارتا ہے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں غور و فکر کی دعوت دینے والی سات سو پچاس آیات ہیں۔ جب کہ احکام و قوانین کے متعلق آیات تقریباً ایک سو پچاس ہیں۔ قرآن انسان اور کائنات سے متعلق علوم کی کس طرح ترغیب دیتا ہے۔ اس کا اندازہ ان آیات سے ہو سکتا ہے[1]

اس طرح کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن جملہ کائناتی اور انسانی علوم کے حاصل کرنے اور ان کو پھیلانے پر ابھارتا ہے۔

اسی قرآنی تحریک کا نتیجہ تھا کہ حاملینِ قرآن نے اپنے دورِ عروج میں علمی سیادت و امامت کا لوہا منوا لیا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سترھویں صدی کا سائنسی اور صنعتی انقلاب قرآن نے غور و فکر اور تدبیر کی جو تحریک برپا کی تھی اسی کا مرہونِ منت ہے۔ اس کا اعتراف انگریز مصنف بریفالٹ نے یوں کیا ہے کہ:

> "جدید دنیا پر عربی تہذیب نے سب سے بڑا احسان کیا ہے۔ اگرچہ اس کے ثمرات ذرا دیر سے سامنے آئے۔ اسپین میں عربی ثقافت نے جس عبقریت کو جنم دیا تھا وہ اس تہذیب کے رُوپوش ہونے کے کافی عرصہ بعد جلوہ گر ہوئی۔ صرف علم (KNOWLEDGE & SCIENCE) ہی نے یورپ کو زندگی نہیں بخشی، بلکہ اسلامی تہذیب کے اور بھی بہت سے موثرات نے اپنی ابتدائی کرنیں مغربی زندگی پر ڈالی ہیں۔ یورپی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کا مرجع یقینی طور پر اسلامی ثقافت

[1] ملاحظہ ہوں آیات یونس: ۱۰۱ - الذاریات: ۲۰، ۲۱ - یوسف: ۱۰۸ - الروم: ۲۲: فاطر: ۳۵، ۴۴ ؛ روم: ۹ -

کے موثرات نہ ہوں - یہ موثرات نہایت وضاحت اور اہمیت کے ساتھ جدید دنیا کی تشکیل کرتے ہیں - اور جدید دنیا کی قوت یعنی طبعی علوم اور بحث کے علمی انداز پر اثر انداز ہوتے ہیں [1]

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یورپ کے سائنسی انقلاب کے پیچھے بہت سے منفی اور غیر اسلامی محرکات بھی موجود تھے - ان کے غیر فطری پہلوؤں اور تخریبی نتائج کی ذمہ داری اسلام پر کسی طرح عائد نہیں ہوتی -

محکمات، متشابہات اور علم غیب

قرآن دو قسم کی آیات کا ذکر کرتا ہے آیات محکمات اور آیات متشابہات (آل عمران ، ۷) آیات محکمات کتاب کی بنیاد ہیں اُن کو قرآن "اُم الکتاب" سے تعبیر کرتا ہے - ان کے معانی و مفاہیم واضح ہیں - جب کہ متشابہات ان حقائق کو کہا جاتا ہے جن کے صحیح معانی و مفاہیم انسان کو معلوم نہیں اور نہ وہ ان کی حقیقت معلوم کر سکتا ہے - ان کی حقیقت کُلی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے - (آل عمران : ۷) متشابہات کے ضمن میں جنت ، دوزخ اور خود ذاتِ باری تعالیٰ وغیرہ کی حقیقت آتی ہے - قرآن کی رُو سے ایسے علوم و آیات کی حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش ضیاعِ وقت ، زیغ قلب اور فتنہ کو دعوت دینے والی ہے - (آل عمران : ۷) مثلاً قرآن اللہ کی سلطنت اور لا متناہی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے عرش (المومنون : ۶) کرسی (البقرہ : ۵۵) اللہ کا ہاتھ (الفتح : ۱۰ - ص : ۷۵) وغیرہ کا ذکر آیا ہے - جب کہ قرآن ہی ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے احد (اخلاص) صمد (اخلاص : ۲) لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ ۲ ، ۱۱) جیسی صفات بھی بیان کرتا ہے - ان صفات سے اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا تصور بنتا ہے جو جسم و مکان سے منزہ ، ستودہ صفات ، قائم بالذات اور ازلی و ابدی ہے - ظاہر ہے ایک ایسی ذات کی حقیقت وہ کیسے جان سکتا ہے جس کا خود اس کو تجربہ نہیں اور جس کی مثل کوئی دوسری شے اس کائنات ہی میں نہیں ہے -

---

[1] MAKING OF HUMANITY

قرآن مجید انسان سے غیب پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے - یہ کوئی قابلِ اعتراض مطالبہ نہیں ہے - کیونکہ یہ ایک قابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہر علم کی بنیادیں اور اصول ناقابلِ مشاہدہ نکاتہ (AXIOMS T) ہی پر رکھی جاتی ہیں - حد تو یہ ہے کہ علمِ مشاہدہ کی سب سے بڑی علمبردار اور مادیت کی پروردہ سائنس بھی ان دیکھے الیکٹران، پروٹان، ایٹم اور بہت سے خیالی ذرات پر اپنی بنیاد رکھتی ہے، چاہے ان پر ایمان لانے کا دعویٰ نہ کرتی ہو - ڈالٹن کا ایٹمی نظریہ آج سے تقریباً دو سو سال قبل معرضِ وجود میں آیا - جب کہ ایٹم پر کسی قسم کا مشاہدہ تو درکنار تجربہ بھی نہیں ہو سکتا تھا - مگر اس ان دیکھی حقیقت کو مانتے ہوئے سائنس دان تجربات و تحقیقات کرتے رہے اور مادی سائنس کو موجودہ دَورِ عروج تک لے آئے - اور نہ صرف ایٹم کو منوا لیا، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر بنیادی نظریۂ ڈالٹن کے خلاف ایٹم کو توڑ کر اپنی طاقت کا لوہا منوا لیا - اگر ایٹم پر براہِ راست تجربہ کا انتظار کیا جاتا تو سائنس آج سو برس پیچھے ہوتی بلکہ شکوک و شبہات میں اُلجھنے کی وجہ سے اُس مقام تک بھی نہ پہنچ پاتی - یہ عروجِ سائنس صرف ان دیکھی بنیادوں کی روشنی میں آگے بڑھتے رہنے کے طفیل ہوا[1] اس تفصیلی بحث سے واضح ہو گیا کہ علوم کی گہرائی و وسعت حاصل کرنے کے لیے غیوب پر ایمان اور متشابہات کے ذریعہ حقائقِ محکم کی آبیاری کی جاتی ہے - کیونکہ غیبی علوم بنیاد فراہم کرتے ہیں اور متشابہات سے حقیقت سے قریب پہنچنے میں مدد ملتی ہے -

علم، تفقہ، حکمت اور ہدایت کا تعلق | قرآن مجید نے علم کے تعلق سے تفقہ (التوبہ: ۱۲۲)، حکمت، (البقرہ: ۱۵۱)[2] اور ہدیٰ - لقمان - ۲۰ .... وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں - علوم کی گہرائی اور بصیرت کے لیے عموماً تفقہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے - حکمت علوم کے ان اسرار و رموز سے عبارت ہے جس کے ذریعہ مومن جملہ امورِ دنیوی و دینی

برہان

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کے مضمون بعنوان "حقیقی ترقی کے اسباب اور اسلام"، ماہنامہ دہلی - اکتوبر، نومبر ۱۹۹۲ء میں علمِ غیب کی بحث -

[2] مزید دیکھیے آل عمران: ۱۶۴ - بنی اسرائیل: ۳۹ - الاحزاب: ۳۴ - جمعہ: ۲

ہیں خالقِ کائنات کے مصالح و مقاصد سے بہرہ ور ہوتا ہے، جس سے منجملہ دوسری خصوصیات کے اس میں شکرِ خداوندی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ (لقمان: ۱۲)۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت کی حیثیت سے لفظ "حکمت" قرآن میں جابجا دوہرایا گیا ہے۔ (البقرہ: ۱۲۹[1]) اور رسولوں کی بعثت کا ایک اہم مقصد منجملہ دوسرے مقاصد کے حکمت کی تعلیم دینا بھی قرار دیا گیا ہے۔ (البقرہ: ۱۵۱[2]) اس مقصد بعثت سے یہ امر بھی مترشح ہوتا ہے کہ رسولوں کو نہ صرف علمِ کتاب سے نوازا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اُن پہ ان حکمتوں کو بھی واضح کرتا ہے جو منصبِ رسالت سے متعلق ہیں۔ حکمت کی اہمیت کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے۔ کہ قرآن کے نزدیک حکمت اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ اور جس کو حکمت سے نوازا گیا اس کو "خیرِ کثیر" سے نوازا گیا۔ (البقرہ: ۲۶۹) کہ یہاں "خیرِ کثیر" علم سے آگے صفت حکمت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جملہ علوم کے محققین کائناتِ عالم کی حکمتوں کی نقاب کشائی کے لیے ہی اپنی تحقیق کا آغاز کرتے ہیں۔ مگر توفیقِ خداوندی اور اس کے لیے طلب نہ ہو تو انسان ان حکمتوں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا اور راستے کی درمیانی منازل ہی کو حکمتِ اصلی سمجھ بیٹھتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمتیں انسان کے قلب میں تبھی آشکارا ہوتی ہیں جب کہ وہ ایمان لاکر علومِ متعلقہ میں بصیرت حاصل کرے اور عملی تدابیر نیز تجربات وغیرہ کے بعد غور و تدبّر کے ذریعہ کائنات میں کارفرما مصالح و مقاصد کو جاننے کی کوشش کرے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کی اس رہنمائی سے عبارت ہے جس کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت، کائنات کی حقیقت، کائنات و انسان کی تخلیق کا مقصد اور کائنات میں انسان کی حیثیت اور اپنے انجام کا علم یقینی طور پر حاصل کرلیتا ہے اور اس کی روشنی میں منازلِ حیات طے

---

[1] مزید دیکھیے۔ آلِ عمران: ۴۸۔ النساء: ۵۴۔ المائدہ: ۱۱۰۔

[2] مزید دیکھیے۔ آلِ عمران: ۱۶۴۔ الجمعہ: ۲۔

کرتے لگتا ہے۔ قرآن کی رُو سے ہدایت کا منبع صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (البقرہ: ۲:۱۴۲، ۲۷۲) اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرمِ خصوصی ہے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے، مگر ہدایت بھی مانگے بغیر نہیں ملتی۔ چنانچہ انسان کے سلیم الفطرت ہونے کی سب سے بڑی نشانی قرآن کی رُو سے یہ ہے کہ ہدایت کی طلب اس کے قلب میں پائی جائے۔ اور وہ اپنے معبودِ حقیقی سے اس معاملہ میں استعانت طلب کرے۔ تبھی اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی و کریمی کا خصوصی فیضان ہوتا ہے۔ اس کو قرآن "صراطِ مستقیم" (الفاتحہ: ۵)[1] "ہدایت" (البقرہ: ۱۵۹)[2]۔ اور "ایمان" (الصّٰفّٰت: ۱۱۱، ۱۲۲، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔ اس علمِ ہدایت کو منبعِ ہدایت سے براہِ راست انبیاء کرام اخذ کرتے ہیں (الانعام: ۸۱، ۹۱) اور وہ آیات و بیّنات اور بے داغ کردار کے ذریعے عام لوگوں پر اپنے حاملِ نبوت و ہدایت ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ضد اور تعصب کی وجہ سے علمِ ہدایت کی روشنی سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اور کچھ لوگ اپنے علمِ دُنیا پہ نازاں رہتے ہیں اور خود کو علمِ ہدایت سے بے نیاز سمجھ کر غیر انسانی یعنی غیر اسلامی زندگی گذارنے پر اصرار کرتے ہیں اور نتیجۃً عذابِ دُنیوی کی پکڑ میں بھی آجاتے ہیں۔ (القصص: ۷۷، ۸۱)۔

علوم کی اسلامائیزیشن کی ضرورت قرآن کی رُو سے علم کے ہر شعبہ کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا اس لیے ضروری ہے کہ جملہ علومِ دُنیوی، علمِ وحی کے فیضان کے بغیر انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں۔ (الاعراف: ۴۳) طاغوت کے ہاتھوں میں علم و ہنر ہو تو وہ انسانیت کو تباہی و بربادی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں وہی علم صحیح ہے جو انسان اور انسانیت کے لیے نافع ہو (البقرہ: ۱۰۲۔ المؤمن: ۸۴)۔ آج دُنیائے انسانیت کو اس نافع علم و ٹکنالوجی کی ضرورت ہے جس سے دُنیا پر منڈلاتے ہوئے جنگ کے سیاہ بادل چھٹیں اور کراہتی انسانیت

---

[1] مزید دیکھیے آل عمران: ۵۱۔ الانعام: ۱۴۸۔ یٰس: ۶۱۔ الصّٰفّٰت: ۱۱۸۔ الحج: ۵۴

[2] مزید دیکھیے الانعام: ۷۸۔ الحدید: ۹۔ الطلاق: ۱۱

ظلم و بربریت کے مارے ہوئے عوام، افلاس اور امراض و مصائب سے دوچار اقوام، ترقی کے نام پر تنزلی کی طرف گامزن دنیا، غیر متوازن و غیر اخلاقی زندگی، بہیمیت و عریانیت اور اباحت پسندی کا دلدادہ معاشرہ، خود غرضی و بدچلنی پر استوار سماج کی جگہ اخلاقی بنیادوں پر استوار معاشرہ، سکون و چین سے ہم کنار ماحول، ستاروں سے آگے کے جہانوں کی جستجو کا جذبہ، حقیقی ترقی، عدل و مساوات، اخوت و ایثار اور حریت و جواں مردی جیسی صفات پر مشتمل سماجِ انسانی کی تشکیل نو ہو۔

آج وقت کی اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ جملہ دنیوی علوم و فنون خصوصاً سائنس و ٹکنالوجی کو اسلام کے سانچہ میں ڈھال کر حقیقی ترقی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جائے ورنہ آج کے علوم و فنون کی موجودہ سمت تو انسانی تہذیب و تمدن کو تباہی اور تخریب کی منزل تک پہنچائے بغیر دم نہ لے گی اور حقیقی ترقی تو کجا مادی ترقی بھی ختم ہو جائے گی۔

قرآنِ حکیم اور عروج و زوالِ اُمم

جناب میر محمد حسین صاحب ایم اے، فاضل دیوبند

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ
بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ
الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ
اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ
بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (یونس-۲۴)

"دنیوی زندگی کی وہی مثال ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اُتارا۔ پھر اس سے رلا ملا سبزہ زمین نکلا جسے انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اس سے رونق پکڑی اور سج گئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ ان کے ہاتھ لگنے والی ہے۔ ناگاہ رات یا دن کو اس کے متعلق ہمارا فیصلہ آن پہنچا تو ہم نے اُسے کٹا ہوا ڈھیر بنا دیا، گویا کل کو یہاں کچھ نہ تھا۔ غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہم نشانیوں کو اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں"۔

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ ظہور، کمال اور زوال فطرت کا وہ اُصول ہے جو کائنات کی ہر چیز میں جاری و ساری ہے۔ پودا زمین سے پھوٹتا، پروان چڑھتا، درخت بن کر پھلتا پھولتا اور پورے جوبن پر آکر مقررہ مدت کے لیے زمین کا زیور بنا رہتا ہے،

مگر آخر کار اس کی جڑیں سوکھنے اور شاخیں مرجھانے لگتی ہیں تا آنکہ وہ ٹنڈ منڈ ہو کر پیوندِ زمین ہو جاتا ہے۔

کائنات کی ہر دوسری چیز کی طرح خود انسان کی انفرادی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ وہ ایک ناتواں بچے کی صورت میں جنم لیتا، بتدریج پروان چڑھتا اور عالمِ شباب کو پہنچتا ہے اور آخر کار بڑھاپے میں اضمحلالِ قویٰ کا شکار ہو کر موت کے سیاہ دبیز پردوں کے پیچھے ہمیشہ کے لیے رُوپوش ہو جاتا ہے۔ اس کی اجتماعی زندگی میں بھی یہی اُصول کارفرما ہے۔ قومیں صفحۂ ہستی پر نمودار ہوتی ہیں۔ جدوجہد سے غلبہ و اقتدار حاصل کرتی ہیں اور آخر میں زوال کا شکار ہو کر نکبت و ادبار کی ظلمتوں میں اس طرح گم ہو جاتی ہیں کہ صرف تاریخ میں ان کا نام رہ جاتا ہے۔

فطرت کا یہ اُصول اس قدر ہمہ گیر ہے کہ دُنیا کی کوئی قوم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ــــ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۔ کہ ہر اُمت کے لیے ایک مدت مقرر ہے چنانچہ جب وہ مدت پوری ہونے کو آتی ہے تو نہ وہ اُمت ایک گھڑی کی تاخیر کر سکتی ہے اور نہ جلدی۔

ظہور و زوال کا یہ درمیانی وقفہ کتنے عرصہ کا ہوتا ہے، فلسفۂ اجتماع کے ماہرین نے اس کی مدت اپنے اپنے مشاہدے اور مطالعے کے مطابق مختلف بتائی ہے۔ کوئی اسے فرد کی زندگی سے تشبیہ دیتے ہوئے اس کی عمر، انسان کی زیادہ سے زیادہ ممکن عمر کے برابر یعنی ایک سو بیس کے قریب بتاتا ہے۔ اور کسی کی رائے میں پانچ صدیاں گزرنے کے بعد ہر قوم زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ کسی قوم کی نسلی خصوصیات، اس کی عادات و مزاج، اس کے مذہبی معتقدات و اعمال، اس کی تاریخی روایات، آب و ہوا، محلِ وقوع، معاشی و تمدنی نظام، غرض بہت سے ایسے عوامل ہیں جو اس کی صلابت و جلاوت یا اس کے ضعف و اضمحلال

پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک مضبوط اور صحت مند جسم بیماریوں کا زیادہ دیر تک مقابلہ کر سکتا ہے اور زیادہ عرصہ تک جی سکتا ہے جب کہ ایک پیدائشی طور پر لاغر و ناتواں انسان، آسانی سے جسمانی عوارض کا شکار ہو کر بہت جلد موت کے گھاٹ اُتر سکتا ہے۔

اِسی طرح وہ قوم جو جفاکش، شدائد و مشکلات کا تحمل کرنے والی ہو، جس کے اسلاف نے تاریخ میں غیرت و شجاعت اور ایثار و قربانی کے غیر معمولی یادگار کارنامے چھوڑے ہوں، جنہوں نے اس قوم کے اندر عزت سے جینے یا کٹ مرنے کا جذبہ ہمیشہ زندہ رکھا ہو، جو صحراؤں یا کوہستانوں کی سخت کوش زندگی کی خوگر ہو اور جس کا مذہب اسے پاکیزہ خیالات رکھنے اور پاکیزہ اعمال کی تلقین کرتا ہو۔ اس قوم کے مقابلہ میں زیادہ دیر پا ثابت ہوتی ہے جس کے سامنے عزت سے جینے کی کوئی مثال اس کے اسلاف نے نہ چھوڑی ہو، یا تعیش و تنعم کی زندگی کی خوگر ہو جائے اور جسے خبائث اعمال سے روکنے والا اس کا اپنا کوئی اجتماعی ضمیر بھی نہ ہو، غالباً اسی لیے قرآن مجید نے یہ بات تو بار بار دہرائی ہے کہ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ کہ ہر قوم کے لیے ایک مدت مقرر ہے۔ لیکن اس مدت کا تعین کہیں نہیں کیا۔

البتہ بنی اسرائیل کے زوال اور اُمتِ مسلمہ کے کمال و عروج کی داستان ہمارے سامنے بڑی تفصیل سے رکھی ہے جس کے مطالعہ سے ہم عروج و زوالِ اُمم کے قرآنی اُصولوں کو ضرور معلوم کر سکتے ہیں۔ بے شک دوسری بہت سی قوموں کے زوال کو بھی قرآن مجید میں بار بار دہرایا گیا ہے تاہم اس میں اس تفصیل سے کام نہیں لیا گیا جس سے بنی اسرائیل کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔

چونکہ قرآن مجید کوئی عمرانیات کی کتاب نہیں، اس لیے اس میں ان اُصولوں کو اس طرح گِن گِن کر تو بیان نہیں کیا گیا، جس طرح اس موضوع کی کسی درسی کتاب میں بیان کیا جاتا ہے۔ البتہ اُمتِ مسلمہ کے احوال و احکام کو جس تفصیل، تذکرہ، تاکید، تمثیل، اوّلیت اور اعادہ و تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان اُمور کو کسی قوم کے غلبہ و تمکن فی الارض میں گہرا دخل ہے اور ان کا فقدان اس کے زوال و انحطاط

کا موجب بن سکتا ہے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کے مطالعے سے جو چیز سب سے پہلے ہمارے سامنے آتی ہے، وہ کسی قوم کا اتحاد و اتفاق ہے۔ ظاہر ہے جب تک کسی قوم کے تمام افراد باہم متحد نہیں ہوتے اور کوئی مضبوط رشتۂ وحدت انھیں باہم دگر وابستہ و پیوستہ نہیں کر دیتا، اس وقت تک اُسے وہ قوت و طاقت میسر نہیں آسکتی جس سے کام لے کر وہ دُنیا والوں سے اپنا لوہا منوا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کے باہمی اتحاد و یگانگت کو نعمتِ عظمیٰ قرار دیا ہے۔ اسے قائم رکھنے کی تاکید کی ہے اور انتشار و افتراق کے ہولناک نتائج پر متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور تم کمزور پڑ جاؤ گے چنانچہ آل عمران میں انھیں تاکید کی کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ..... اور سورۂ انفال میں انتباہ کیا کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ .....

دُنیا میں غلبہ و تمکن کے حصول کی اس خشتِ اوّل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے قبائل کو باہم شیر و شکر کر دینا آپ کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ اللہ کا بہت بڑا افضل سمجھیے کہ اس نے نفرت و عصبیت کی دیواروں کو توڑ کر انھیں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا۔ اِن عربوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ بے شمار ایسے قبائل میں بٹے ہوئے تھے جو ہمیشہ معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتے تھے۔ ان میں قبائلی تفاخر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ ان کی کوئی قوت نہ تھی۔ وہ ایران و روم کا پانی بھرتے تھے۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ کلمۂ توحید پر اس طرح اخوت و یگانگت کے رشتے میں منسلک ہو گئے کہ ایک دوسرے کی خاطر جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس اتحاد و وحدت نے ان کو وہ قوت دے دی کہ وہ اپنے وقت کی دو سپر طاقتوں کو پامال کر کے انھیں اپنے زیرِ نگیں لے آئے مگر شومئ قسمت سے اُمتِ مُسلمہ کی یہ وحدت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ سب

سے پہلے ان میں سیاسی اختلاف نے سر اُبھارا۔ اور جنگ جمل و صفین میں نوّے ہزار کے قریب کلمہ گو اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں کٹ گئے۔ چند مفروضہ عقائد و نظریات کو لے کر خارجی اُٹھے اور سالوں تک مسلمان حکومتوں سے اُلجھتے اور ضعف و زوال کا باعث بنتے رہے۔ مصر و یمن کے قبائل میں نسلی تعصب کی آگ اس بُری طرح بھڑکی کہ اُمتِ مسلمہ کے رُعب و دبدبہ کو جھلسا کر رکھ دیا۔ پھر اہلِ سنّت و شیعانِ علی کے مذہبی و سیاسی اختلافات نے نہ صرف عباسی اقتدار کو دریائے دجلہ میں غرق کر دیا بلکہ اُمتِ مسلمہ کے دو طبقوں کو ایک مستقل اور کبھی نہ ختم ہونے والی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ اور آخرکار جب بیسویں صدی کے اوائل میں عربوں نے نسلی و لسانی عصبیت کا شکار ہو کر ترکِ خلافت کو جو اُمتِ مسلمہ کے اتحاد کی ایک کمزور سی علامت رہ گئی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اور یہ وقت اُمتِ مسلمہ کے صدیوں پر پھیل جانے والے ادبار و نکبت کا نقطۂ آغاز تھا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو کمزور بنانے اور ان پر حکومت کرنے کے لیے یہی حکمتِ عملی اختیار کی تھی کہ انہیں باہم دست و گریباں گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا ...... (قصص: ۴)

کسی قوم کی ترقی و عروج کے لیے دوسرا بڑا عامل علم ہے۔ ہو سکتا ہے ایک وحشی و جاہل قوم اپنی سفاکی و خونریزی کی بدولت چند روز کے لیے برسرِ اقتدار آ جائے مگر اس کے قصرِ اقتدار کی بنیاد اتنی کمزور ہوتی ہے کہ بہت جلد زمین بوس ہو جاتی ہے جب کہ دنیا میں جتنی قوموں نے دیرپا عروج حاصل کیا، علم ہی کی بدولت کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں حصولِ علم پر بڑا زور دیا ہے۔ قرآن و سنّت کے صفحات اس کے فضائل سے بھرے پڑے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی جو وحی نازل ہوئی اس میں حصولِ علم ہی کی تاکید کی گئی اور سب سے پہلے انسان پر خدا کی نعمتِ علم ہی کو گنوایا گیا۔ اور اسی غیر متناہی میدان میں جولانیوں کے لیے انسان کی غیر محدود استعداد کی طرف اشارے کیے گئے۔ علم کے لیے اسی غیر محدود استعداد کی بدولت آدمؑ نے فرشتوں پر برتری حاصل کی اور اُسے خلعتِ خلافت سے نوازا گیا۔ اہلِ علم اور غیر اہلِ علم میں جو بُعد المشرقین پایا

جاتا ہے۔ اس کو یہ کہہ کر واضح کیا کہ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (زمر: ۹) پہلے مسلمانوں کے نزدیک علم کا کیا مقام تھا، اس کا اظہار حضرت معاذؓ بن جبل کے ایک خطبے سے ہوتا ہے جو آپ نے علم کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ میرے خیال میں علم کے موضوع پر اس پر اضافہ ناممکن ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ فَإِنَّ تَعَلُّمَهُ لِلّٰهِ خَشْيَةٌ وَطَلَبَهُ عِبَادَةٌ وَمُذَاكَرَتَهُ تَسْبِيحٌ وَالْبَحْثُ عَنْهُ جِهَادٌ وَتَعْلِيمَهُ لِمَنْ لَا يَعْلَمُ صَدَقَةٌ وَبَذْلَهُ لِأَهْلِهِ قُرْبَةٌ لِأَنَّهُ مَعَالِمُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَمَنَارُ سُبُلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالْأُنْسُ فِي الْوَحْشَةِ وَالصَّاحِبُ فِي الْغُرْبَةِ وَالْمُحَدِّثُ فِي الْخَلْوَةِ وَالدَّلِيلُ عَلَى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالسِّلَاحُ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَالزَّيْنُ عِنْدَ الْأَخِلَّاءِ۔ يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهِ أَقْوَامًا وَيَجْعَلُهُمْ فِي الْخَيْرِ قَادَةً وَأَئِمَّةً تُقْتَبَسُ آثَارُهُمْ وَيُقْتَدٰى بِفِعَالِهِمْ وَيُنْتَهٰى إِلٰى رَأْيِهِمْ۔ تَرْغَبُ الْمَلَائِكَةُ فِي خُلَّتِهِمْ وَبِأَجْنِحَتِهَا تَمْسَحُهُمْ۔ يَسْتَغْفِرُ لَهُمْ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْبَحْرِ وَهَوَامُّهُ وَسِبَاعُ الْبَرِّ وَأَنْعَامُهُ لِأَنَّ الْعِلْمَ حَيَاةُ الْقُلُوبِ مِنَ الْجَهْلِ وَمِصْبَاحُ الْأَبْصَارِ مِنَ الظُّلَمِ۔ يَبْلُغُ الْعَبْدُ بِالْعِلْمِ مَنَازِلَ الْأَخْيَارِ وَالدَّرَجَةَ الْعُلْيَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالتَّفَكُّرُ فِيهِ يَعْدِلُ بِالصِّيَامِ وَمُدَارَسَتُهُ بِالْقِيَامِ۔ بِهِ تُوصَلُ الْأَرْحَامُ وَيُعْرَفُ الْحَلَالُ مِنَ الْحَرَامِ وَهُوَ إِمَامُ الْعَمَلِ وَالْعَمَلُ تَابِعُهُ وَيُلْهَمُهُ السُّعَدَاءُ وَيُحْرَمُهُ الْأَشْقِيَاءُ۔

(حیاۃ الصحابہ)

یعنی "علم حاصل کرو، کیونکہ اس کا سیکھنا خشیتِ الٰہی، اس کی تلاش عبادت، اس کا تکرار و اعادہ تسبیح، اس کی تحقیق جہاد، اَن پڑھوں کو اس کا سکھانا صدقہ، اور اہل لوگوں پر اس کا خرچ کرنا قربِ خداوندی ہے، کیونکہ اس سے حلال و حرام کا

پتہ چلتا ہے اور اس سے اہلِ جنت کی راہیں روشن ہوتی ہیں۔ یہ پریشانیوں میں مونسِ جان، غریب الوطنی میں ساتھی، تنہائیوں میں ہم سخن، دُکھ سکھ میں راہ نما، دشمنوں کے خلاف ہتھیار اور دوستوں میں زینت ہے۔ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ قوموں کو سربلند کر کے اچھے کاموں میں امام و پیشوا بنا دیتا ہے جن کے نشان ہائے قدم سے لوگ اقتباسِ نور کرتے، ان کے کارناموں کی پیروی کرتے اور ان کی رائے سے استناد کرتے ہیں۔ فرشتے اُن کی دوستی کے خواہاں ہیں اور اپنے پروں سے انہیں چھوتے ہیں۔ دنیا کی ہر رطب و یابس چیز حتیٰ کہ سمندروں میں مچھلیاں اور دوسرے حشرات' خشکی کے درندے اور چوپائے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں، کیونکہ علم، جہالت کی وجہ سے مُردہ دلوں کے لیے باعثِ حیات اور تاریکیوں میں آنکھوں کے لیے چراغ ہے۔ اِس کی بدولت انسان نیک لوگوں کے مرتبے تک پہنچتا بلکہ دُنیا و آخرت میں اس سے بھی بلند تر مقام پا لیتا ہے۔ اس میں غور و فکر کرنا روزے اور اس کا پڑھنا پڑھانا نماز کے برابر ہے۔ اس کے ذریعے رشتوں کو جوڑا اور حلال و حرام میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ علم، عمل کا امام اور عمل علم کا تابع ہے۔ یہ سعادت مندوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ بدنصیب اس سے محروم رہتے ہیں۔

اسلام نے علم کی جو جوت مسلمانوں کے سینوں میں جگائی تھی، اس کی روشنی میں انہوں نے نہ صرف دُنیا بھر میں رائج ہر طرح کے دینی و دُنیوی علوم حاصل کیے اور ان میں کمال پیدا کیا، بلکہ ان میں گراں بہا اضافے بھی کیے، اور کئی ایک علوم کے موجد و بانی ٹھیرے۔ عظیم الشان لائبریریاں قائم کیں۔ دوسری زبانوں کے علوم کو اپنی زبان میں منتقل کیا، ان کی ہر بستی میں بلا مبالغہ سینکڑوں کی تعداد میں مدرسے اور مکتب ہوتے تھے، جہاں بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ قرطبہ و غرناطہ کی مسلمان یونیورسٹیاں وہ درس گاہیں تھیں جہاں بیرونی ممالک سے بھی لوگ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انہی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ یہودیوں اور عیسائیوں نے یورپین ممالک میں جا کر بڑی بڑی درس گاہیں قائم کیں۔ جن میں صدیوں تک مسلمان علما کی تصانیف پڑھائی جاتی رہیں۔ مسلمانوں میں پایا جانے والا فروغِ علم کا یہ جذبہ یورپ

میں تحریک احیائے علوم (RENASCENCE) کا محرک بنا۔ اِس طرح مسلمانوں کو بجا طور پر یورپ کا معلّم کہا جاسکتا ہے۔ جب تک علم سے مسلمانوں کا یہ شغف قائم رہا۔ اور اس کی تحصیل کے لیے ان کی محنت و جستجو جاری رہی، وہ دنیا میں سربلند رہے۔ پھر جیسے ہی انہوں نے علم سے مُنہ موڑا، اقتدار و حکومت نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیں، چنانچہ آج حالت یہ ہے کہ دوسری اقوام سے زیادہ وسائل رکھنے کے باوجود وہ صرف اس لیے بے وقعت ہو کر رہ گئے ہیں کہ ان کے پاس ان وسائل سے استفادہ کے لیے ضروری فن ہے نہ علم۔ (باقی)

(بقیہ اسلام میں اختلاف کے آداب)

اختلاف باعثِ رحمت تھا اور جس کی وجہ سے فقہ اسلامی کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا، اور جس کے ذریعے دینِ اسلام کا فطرت و واقعیت کے عین مطابق ہونا اور اس میں لوگوں کی مصلحتوں کا بھرپور لحاظ رکھا جانا ثابت ہوگیا، وہی اختلاف مسلمانوں کے افتراق و انتشار اور باہم دست و گریبان بن جانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔ جس نے آگے چل کر ایک ایسے دردناک عذاب کی شکل اختیار کرلی جس نے اُمتِ مسلمہ کو بے فائدہ اور لایعنی اُمور میں اُلجھا کر اس کی قوت و طاقت اور صلاحیتوں کو تباہ و برباد کردیا۔

رسائل و مسائل

کامیابی اور ناکامی کی نئی قرآنی شرح

نعیم صدیقی

سوال :- میں آپ کی توجہ منسلکہ فوٹو اسٹیٹ اقتباسات کی طرف دلانا چاہتا ہوں، جن میں مولانا مودودیؒ کا نام لیے بغیر ان کے بعض بیانات اور خیالات کو خود ہی غلط معنی پہنا کر بزعمِ خویش شدید محاکمہ کیا گیا ہے۔ خصوصاً قرآن کے تصورِ کامیابی و ناکامی کو بدل دیا گیا ہے۔ اس تنقید کا جواب ترجمان القرآن میں جلد آنا چاہیے۔

جواب :- آپ جیسے محب اور عزیز حضرات ہر اس چیز کے سامنے آنے پر پریشان ہو جاتے ہیں جس کا مقصد مولانا مودودیؒ یا تحریکِ اسلامی کی فکر پر ضرب لگانا ہو۔ یہ نیک کام اصل میں دو وجوہ سے ضروری ہے : ایک یہ کہ جہاں تک مولانا مودودیؒ کی بھاری بھر کم شخصیت کے چھتنار نظامِ افکار کا تعلق ہے جب تک اس میں کیڑے نہ ڈالے جائیں، کوئی نوخیز ذہین آدمی مولانا مودودیؒ کے اس عہد میں اُبھر نہیں سکتا۔ دوسری یہ کہ ہماری اسلامی حکومت اس بات کی سخت ضرورت مند ہے کہ مولانا مودودیؒ کے اُٹھائے ہوئے تحریکی ریلوں سے ان کی مسندوں اور قالینوں اور شیشہ خانوں اور ان کے محبوب نظامِ مفاد کو محفوظ رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ رضاکار انہیں ایسے ملتے رہیں جو ایک جوابی آئیڈیالوجی مہیا کریں۔ اور اسلام کا کوئی ایسا تصور معاشرے میں پھیلائیں کہ لوگ تبلیغ و ذکر تو شوق سے کرتے رہیں مگر حکومت و سیاست کی روش سے کوئی تعرض نہ کریں۔ دوسرے لفظوں میں وہ خالص غیر سیاسی اور غیر اجتماعی مذہب کی سرپرستی کر سکتے ہیں۔

یہ صاحب اسی خاص شان کے ساتھ اُبھرے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آپ اتنی سی بات سے گھبراتے کیوں ہیں کہ شیر کے جسم پر کوئی چیونٹی بھاگی چلی جا رہی ہے۔ بھاگنے دیجیے، آخر اسے چند ثانیوں کے بعد واپس اپنے بِل کو چلے جانا ہے۔ کچے نظریات، ادھورے فلسفے، ٹیڑھے دینی تصورات اگر تھوڑی دیر کے لیے کچھ بہار دکھا لیتے ہیں تو کیا حرج۔ اب تو حال یہ ہے کہ تمام دانشور اور عالم اور لکھنے والے یا تو مولانا مودودیؒ کے حق میں لکھ سکتے ہیں یا اُن کے خلاف۔ گویا سب کے ذہنوں پہ مولانا مودودیؒ کا سکہ رواں ہے۔

میرے خیال میں یہ بات اچھی ہے کہ مخالفت کی کچھ لہریں اُٹھتی رہیں، کیونکہ وہ ہمارے بھی دلوں اور دماغوں کو متحرک رکھتی ہیں اور ہمیں موقع دیتی ہیں کہ ہم اپنے نقطہ نظر کو واضح کرنے کے لیے بحثیں اُٹھائیں۔ جس داعی یا جماعت یا تحریک کی کوئی مخالفت ہی نہ کرے، وہ مشکل ہی سے آگے بڑھ سکتی ہے۔

اس سارے سلسلۂ بحث و دلائل میں ایک ہی بات قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ قرآن میں کامیابی کا تصور کیا ہے؟

فرض کیجیے کہ ایک شخص اپنی بستی میں تعلیمِ بالغاں کی مہم شروع کرتا ہے اور سر توڑ کوشش کرتا ہے کہ لوگ اس سے تعلیم حاصل کریں، مگر ساری جانفشانیوں، صرفِ مال اور قربانیٔ آرام کے باوجود وہ ہزاروں کی آبادی میں بمشکل دس بیس افراد کو سکھا پڑھا سکتا ہے — درآنحالیکہ اس پر لوگوں نے طرح طرح کے الزام لگاتے ہوتے ہیں، کئی بار لوگ اس سے لڑے جھگڑے ہوتے ہیں، کئی طرحوں سے اسے سازشی اور سی آئی ڈی کا آدمی قرار دے کر اُسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ہوتی ہے۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑے بڑے جاگیردار اور نواب مخالفانہ سلسلہ جنبانیاں کر کے نوجوانوں کی نئی نئی تنظیمیں بنوا دیتے ہیں۔ اور وہ معلم اس حال میں آخری سانس لیتا ہے کہ نہ ایک کچے کوٹھے سے زیادہ کوئی جائے مقام وہ حاصل کر سکا، نہ اُسے اور اس کے بچوں کو اچھی غذا اور اچھی خوراک ملی اور نہ دنیوی مفاد کے لیے کوئی مستقبل اس کے سامنے ہے۔

یہ کامیابی ہے یا ناکامی؟

ایک شخص کہتا ہے کہ بڑی ناکامی ہے، کیونکہ بیس پچیس برس کی محنت کے باوجود بستی تعلیم حاصل نہ کرسکی اور نہ اس خدمت کے علمبردار کو کوئی اچھا نتیجہ ملا! دوسرا کہتا ہے کہ جی نہیں، جس شخص نے خلوص سے ایک نیک مقصد کے لیے جانفشانی کی اور بظاہر اس کو حاصل کم ملا - ایسے شخص کو ایک تو ضمیر کے اطمینان کی نعمت حاصل رہی اور دوسرے آخرت میں اس کے لیے بہترین جزا ہے۔ ورنہ کون سی گارنٹی قانونِ الٰہی نے اسے دی ہے کہ وہ اگر کسی نیک کام کے لیے محنت کرے گا تو اُسے ضرور کامیاب کر دیا جائے گا؟

ایک آدمی چاہتا ہے کہ بیماری کا قلع قمع ہو جائے، دوسرا کوشاں ہے کہ ہر طرف صفائی کا ماحول بالا ہو، تیسرا چاہتا ہے کہ تاریکیاں چھٹ جائیں —— اور ایسے تمام لوگ پوری پوری محنت کرتے ہیں، لیکن جو نتیجہ ان کے سامنے ہوتا ہے، مطلوبہ مقدار و معیار میں وہ برآمد نہیں ہوتا۔ یعنی وہ تو اپنی طرف سے مساعی کا حق ادا کر دیتے ہیں لیکن مخاطب قوت اپنی ناقص ذہنیت کی وجہ سے اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ حصولِ مقصد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ کچھ حاصل نہیں ہوا جو جس قدر مطلوب تھا یا جس قدر محنت و ایثار سے کام لیا گیا تھا —— لیکن اگر خدا کے ایک بندے کی حیثیت سے خدا کے پسندیدہ مقصد کے لیے کسی کے خلوص و خدمت کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ کامیاب ہے اور دنیا میں اگر اس کے خلوص و خدمت کا پورا صلہ نہیں ملا تو آخرت میں تلافی ہو جائے گی۔

ایک مالکِ زمین کا ملازم کسان پوری محنت کرتا ہے، مگر فصل نہیں اُگتی، یا نہیں بڑھتی یا برباد ہو جاتی ہے۔ تو اگر اس کی کوتاہی نہیں تو اس کا سچا انصاف پسند مالک اُسے پورا پورا معاوضہ ادا کرے گا۔ یا ایک بادشاہ کا جنرل اگر جی جان سے دشمن سے لڑا اور فوج کو کما حقہٗ لڑایا مگر فوق الاختیار وجوہ سے شکست ہو گئی تو صحیح علم رکھنے والے انصاف پسند بادشاہ کی نگاہ میں وہ مجرم نہیں ہو گا بلکہ انعام کا حقدار ہو گا۔ ایک شخص عمارت کھڑی کرتا ہے اور وہ خاصی بلند ہونے کے بعد زلزلے سے گر پڑتی ہے، ایک ناخدا بڑی محنت سے کشتی کو کھے رہا ہے، مگر طوفان اُٹھتا ہے اور کشتی ڈوب جاتی ہے تو وہ ڈوبنے والوں

کا قاتل تو قرار نہیں پائے گا۔ لیکن کشتی سے محروم ہو جائے گا جو اس کا ذریعہ معاش تھی۔ ایسے واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسانی نیت، محنت اور کوشش ایک قابلِ قدر چیز ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ ہر بار اور ہر شخص کے معاملے میں اس کے ظاہری اور دنیوی نتائج ایک سے نکلیں۔

ایک رشوت خوار نے بڑی بلڈنگ کھڑی کر لی، ایک جاسوس نے دشمنوں سے مال لے کر زرخیز اراضی خرید لی، ایک عالمِ دین نے حکمرانوں سے گٹھ جوڑ کر کے کاروبار چلا لیا، ایک بنک کار نے سود کی آمدن کے بل پر بچوں کو اونچی تعلیم دلوا کر ڈاکٹر، انجینئر اور پی سی ایس افسر بنوا لیا، ایک جواری نے جوئے کی بھاری رقم جیت کر اس سے ٹرانسپورٹ کا سلسلہ شروع کر دیا تو کیا یہ کامیابی ہے؟ قرآن کی تعلیم کے لحاظ سے نہیں!

ایک شخص اصولِ دین پر استوار رہتا ہے، دعوتِ حق کو آگے بڑھاتا ہے، سچائی کی حمایت کرتا ہے، فاقہ مستی کے باوجود رزقِ حرام سے دامن بچاتا ہے، مستکبرینِ زمانہ کی خوشامد اور مترفین کی حاشیہ برداری نہیں کرتا، قانونِ حق کو زندگی میں غالب دیکھنے کے لیے دن رات تگ ودو کرتا ہے، اس مقصد کی سرمستی میں وہ ایک جھونپڑے میں زندگی گذارتا ہے، اس کے ہاں صوفے قالین نہیں ہیں۔ کراکری نہیں ہے، آرٹ گیلری نہیں ہے، اس کا لباس تھوڑی قیمت کا ہے، اس کا کھانا بہت غریبانہ ہے، اس کے بچے تعلیم اور صحت کے لحاظ سے آگے نہیں بڑھ سکتے ـــــ تو کیا یہ ناکامی ہے؟

ناکامی تو یہ ہوتی کہ وہ اپنے اصول و مقاصد کو معاش و مال کے لیے ترک کر دیتا۔

متذکرہ ساری مثالوں کی روشنی میں گویا جدید مفسر صاحب کا کہنا یہ ہے کہ جس نبیؑ یا مردِ صالح یا داعیٔ حق نے جتنا اثر پھیلانا اور جتنے لوگوں کا تزکیہ کرنا اور جس درجے کی تبدیلیاں پیدا کرنا چاہا، وہ بطور امر واقعہ ہو گئیں۔ حالانکہ افراد کی سوانح عمریاں، تاریخ کے واقعات، قرآن کی آیات اور حدیث کی وضاحتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس دنیا کی حد تک اصل کامیابی دل اور روح کی کامیابی ہے۔ یہ کامیابی غریبانہ حالات میں، بلکہ جیل کی کوٹھڑیوں میں رہنے والوں اور پھانسی کے تختوں پر کھڑے ہونے والوں کو

بھی حاصل ہو جاتی ہے، بشرطیکہ وہ ان منازل سے اپنے عقیدے اور دین اور مقصد کی خاطر گذریں۔

لیکن بے شمار عمارتوں والے، بنک بیلنس والے، گاڑیوں والے، طرح طرح کی تفریحات میں محو رہنے والے، لوگوں کے دلوں اور دماغوں اور ضمیروں کو خریدنے والے، کمزوروں پر ظلم ڈھانے والے، کبر و استکبار میں مبتلا رہنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کبھی بھی دل کی خانہ خرابی، رُوح کی باطنی اذیت اور ضمیر کی نیش زنی سے ایک لمحہ کو نجات نہیں ملتی۔ وہ بظاہر جامِ شراب چھلکا کر خوشی سے ناچتے دکھائی دیں گے، ان کو اندر سے سانپ اور کنکھجورے کاٹ رہے ہوں گے۔

یہ دو مختلف و متضاد کردار ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک طرف غالب منظر دُنیوی کامیابیوں اور قلب و رُوح اور ایمان و اخلاق کی ناکامیوں کا ہوگا۔ دوسری طرف منظر دُنیوی ناکامیوں، مگر قلب و رُوح کی شادابیوں اور ایمان و اخلاق کی فصلِ بہاراں کا ہوگا۔ ہم اسلامی معاشرے اور ریاست کے لیے وعدہ ہے کہ ایمان و اخلاق کے ساتھ علم اور جاہ و مال کو جمع کر دیا جائے گا، مگر صرف اسی صورت میں جب کہ اس کے علمبردار دینی عروج کی شرائط پوری کر دیں۔

یہ طرزِ فکر جس کے لیے قرآن میں بے شمار واضح آیات ہیں، اگر کوئی ترک کر دے تو نہ وہ " مَعِيشَةً ضَنكًا " کا مطلب پا سکے گا اور نہ " فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً " کا۔

دین کے مخلص ترین خادم دعوتِ حق کو پھیلانے کی تمام کوششیں صرف کر دیتے ہیں، مگر برسوں میں وہ چند افراد سے زیادہ لوگوں کو متاثر کر کے ساتھ نہیں لے سکتے، دوسری طرف وہ دُنیوی معاش کے لحاظ سے بھی دشمنوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کو کیا کہیے گا کہ یہ کس مقام پر ہیں صاف بات ہے کہ وہ اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کے لحاظ سے کامیاب اور مستحقِ انعام ہیں، مگر ظاہری دنیوی نتائج کے لحاظ سے انہوں نے دوسری طرح کی کامیابی کو معیارِ ذہن و کردار کبھی بنایا ہی نہیں تھا۔ نہ قرآن نے کسی سے یہ چاہا کہ تم پیغام پہنچا دینے کے بعد اس بات کے ٹھیکیدار بھی

ہو کہ لوگوں کو یا اُن کی کثیر تعداد کو ضرور ہی اس پیغام کا قائل کر کے چھوڑو اور دشمنوں کو بھی اپنے جادۂ ہدایت پر چلا کر دکھا دو۔ (اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ)

کامیابی و ناکامی کے مسئلے پر ایک خاص متجددانہ تفسیر اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ اس نے نظامِ حق کو دائرۂ دین و دعوت سے خارج کر دیا ہے۔ یعنی راج پاٹ سامراجی طاغوتی طاقتوں کے قبضے میں ہو، منافقین کے پاس ہو یا مترفین و مستکبرین کے قابو میں آ جائے اور سکۂ ظلم کا چلے یا ملکی دولت کی لوٹ مار ہو رہی ہو۔ یا تقسیمِ معیشت کے نظام نے غالب و مغلوب دو طبقوں کی دائمی تقسیم کر کے غریب طبقے کو پیسنے کے لیے وقف کر دیا ہو، یا قانون کے سایۂ عاطفت میں تعلیم اختلاط، سُود، بے حیائی، بے پردگی، غیر اسلامی تہذیب، لادینیت اور مخالفِ اسلام نظریات پرورش پاتے رہیں ـــــ خدا کے دین کے نقیبوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علمبرداروں کو حق نہیں کہ وہ اس نظام کی تبدیلی کی تحریکی، انتخابی اور انقلابی مساعی عمل میں لائیں۔ بس ان کا کام بر سرِ اقتدار بدی کے سایے میں نیکی کی تبلیغ کرتے رہنا ہے۔

میرے خیال میں ابھی میں یہ نکات صرف آپ کے سامنے وضاحتِ حق کے لیے لکھ رہا ہوں، جن صاحب کے اقتباسات آپ نے بھیجے ہیں، ان سے باقاعدہ تعرض کو ابھی ملتوی رکھنا مناسب ہے۔ کچھ اور دلیل بازیاں ان کی سامنے آ جائیں تو پھر ایک ایک بات آیات و احادیث کی روشنی کے ساتھ رکھی جائے گی اور مغالطہ انگیز بحثوں کا پوری طرح تجزیہ کیا جائے گا۔

مطبوعات

درودِ محمد بن قاسمؒ | حکیم محمد سعید صاحب ۔ موسسِ مدینۃ الحکمت ۔ ہمدرد مرکز ناظم آباد کراچی ۱۸ء

اب تک یہ حقیقت روشن ہو چکی ہے کہ حکیم محمد سعید صاحب اعجوبگیوں کا ایسا شاخسار ہیں جس سے حکمت و دانش کے نئے نئے غنچے اور پھول ظہور کرتے رہتے ہیں۔

ابھی لوگ ان کے ایک نہج کے کام کو پوری طرح اخذ نہیں کر پاتے ہوتے کہ وہ کسی دوسری نہج کا ایک انوکھا کارنامہ نکال کر سامنے رکھ دیتے ہیں۔

"مدینۃ الحکمت" کے متعلق کام کرتے کرتے ایک سوال ان کے دل میں اٹھا کہ یہ مقام شاید اسی گذرگاہ پر واقع ہے جہاں سے محمد بن قاسم کا قافلہ گذرا تھا اور باب الاسلام دیبل میں داخل ہوا تھا۔

اب انہوں نے بحثیں شروع کیں اور تاریخ و جغرافیہ کے عالموں سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ کتابیں دیکھیں، دانشوروں سے معلومات اور نقشے حاصل کیے، کتابوں سے حوالے نکالے ۔ ڈاکٹر این۔اے بلوچ، ڈاکٹر اے۔ایچ۔دانی، ڈاکٹر مس لعل بہا، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر ریاض الاسلام، پروفیسر شیخ عبدالرشید، ڈاکٹر پی۔ایچ۔این، اگیرمانٹ (لیٹن بلجیم) سے آراء ابتدائی تحقیق کے سلسلے میں حاصل کیں ۔ پھر باقاعدہ مجلسِ علماء بلائی۔ پھر جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ ٹھیک یہی مقام باب الاسلام میں محمد بن قاسم کے داخلے کا ہے تو ماہرین کی ایک کمیٹی اس تاریخی واقعہ کی یادگار (مینار اسلام اور دیگر ادارہ ہائے افادیت) کی تعمیر کے

لیے تشکیل پائی۔

اس پمفلٹ میں اہم چیز دہ پرانے نقشے ہیں، جو مختلف مآخذ سے محمد بن قاسم کی آمد کا راستہ معلوم کرنے کے لیے حاصل کیے گئے۔

فاران ۔ سلور جوبلی نمبر | گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز لاہور کا میگزین ۔ مدیر: پروفیسر سیف اللہ خالد۔ معاونین: وقار مصطفےٰ، علی جاوید نقوی، سردار عثمان علی ۔ نوجوان ترنگی، امجد اقبال، فرخ اقبال فرخ، امتیاز احمد، محمد حسین خاور۔

ساڑھے پانچ سو صفحے کا یہ ضخیم وخوشنما مجلہ پروفیسر اختر الدین پرنسپل کی سرپرستی میں نوجوان اساتذہ وطلبہ کی بہت عمدہ پیش کش ہے۔ اتنے ضخیم ذخیرۂ نگارشات کے متعلق چونکہ ترجمان القرآن کے محدود صفحاتِ مطبوعات میں حسب دلخواہ اظہار خیال ممکن نہ تھا، اس لیے میں ٹالتا رہا۔ آخر کب تک !

اب میں مختصراً یہ کہوں گا کہ سب سے پہلے آدمی پر اس میگزین یا مجلے کی ظاہری نفاست اثر انداز ہوتی ہے۔ تزئین کے ساتھ حسنِ ترتیب کی ذمہ داریوں کو بھی نبھایا گیا ہے ۔۔ خالد سیف اللہ صاحب اور ان کے معاونین مستحقِ تبریک ہیں۔

شروع میں پرنسپل صاحب سے لیا ہوا مقیاِ انٹرویو درج ہے۔ پھر "روشنی" کے عنوان سے کالج کی پوری روئیداد (۱۸۹۲ء تا ۱۹۸۶ء) پیش کی گئی ہے۔ "زاویے" میں کالج کے سابق پرنسپلوں، اساتذہ وطلبہ کو کاغذ کے قلم پر دکھایا گیا ہے۔ "سفر" کے زیرِ عنوان اب تک کے اساتذہ وطلبہ کی علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا ریکارڈ ہے۔ "فاران" میں شائع شدہ تحریروں میں سے خاص منتخب چیزوں کو بھی دوبارہ سامنے لایا گیا ہے۔ پھر تمام قلمی شرکاء کی تصویروں سے میگزین کو سجا دیا گیا ہے۔ بیچ بیچ کے ذیلی سرورق اور عنوانات خوبی سے بنائے گئے ہیں۔ اُردو تحریروں کے ساتھ ساتھ ۱۲۸ صفحات میں انگریزی نگارشات ہیں۔ تحریریں اچھی ہیں۔ "ادب اور زندگی" (سید خالد منظور) پسند آیا۔ "افکارِ پریشان"

(وقار مصطفےٰ) کی جذباتی فضا بہت پسند آئی - طنز و مزاح کے صفحات خاصے دلچسپ ہیں - (خصوصاً "انٹر میں جتنے سال بھی گذریں، گذارنا") - پھر بہت سے افسانے، ڈرامے اور حصہ نظم اور بھی قیامت - پھر شائع شدہ مضامین میں اشاریہ! انگریزی نظم HOMELESS HUMANITY پڑھتے ہوئے خیال آیا کہ عنوان تو یہ بھی اچھا ہوتا: HUMANITYLESS HUMANITY - افسوس ہے کہ ایک ایک چیز کی الگ الگ داد نہیں دی جاسکتی -

---

مولانا ثناء اللہ امرتسری از فضل الرحمٰن بن میاں ساجد، ایم - اے - خطیب مبارک مسجد اسلامیہ کالج - ریلوے روڈ، لاہور - ناشر: دار الدعوۃ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور - کاغذ طباعت خوب - صفحات: ۲۹۰ - قیمت درج نہیں -

برصغیر کے آسمانِ تاریخ ملت پر گراں قدر شخصیتیں ستاروں کی طرح جگمگا رہی ہیں، ان میں سے ایک مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بھی تھی - مولانا کے دم سے علم و تحقیق اور صحافت و تدریس کی بزم گاہوں اور مناظروں کی رزم گاہوں میں جو رونقیں کئی برس معاصرین نے دیکھیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں - مولانا مسلک کے لحاظ سے اہلِ حدیث تھے، مگر فرقہ پرست کے معنوں میں نہیں، بلکہ ایک صاحبِ ایمان و اخلاق عالم کی طرح حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کرتے - مولانا سچے مبلغ، عالمِ قرآن، محافظِ سنت، بے لاگ مفتی اور وسیع دائرۂ تعلقات رکھنے والے تھے - انگریزی تلواروں کے سائے ہی جب پادری حضرات نے یہاں آکر مناظروں کے ذریعہ خستہ حال مسلمانوں سے ان کا ایمان چھیننا چاہا تو مسلمانوں کے محاذ سے بھی اہلِ مناظرہ کی جوابی قوت اٹھی - اس قوت میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کو خاص مقام حاصل تھا - انہوں نے آریہ سماجیوں، عیسائیوں اور بعض لڑنے جھگڑنے والے مسلمان فرقوں، نیز بطورِ خاص مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظرے کر کے ہر دو گروہ کو شکست دی -

یہ کتاب ان کی سوانح اور حالاتِ زندگی اور ان کی علمی اور مناظرانہ سرگرمیوں کی جھلکیاں پیش کرتی ہے -

---

اُمتِ مُسلمہ بگاڑ اور علاج

از ڈاکٹر یوسف القرضاوی ۔ عربی سے ترجمہ: جناب منیر احمد خلیلی۔
ناشر: ادارۂ مطبوعات تکبیر" اے ون، تیسری منزل، فاسکو سنٹر،
کیمبل اسٹریٹ، کراچی۔ قیمت: ۱۰/- روپے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی جنہوں نے مشہور کتاب " الحلال والحرام" لکھی اور جن کے قلم سے مسئلہ زکوٰۃ پر نہایت تحقیقی مجلدات شائع ہوئی ہیں۔ ان کے نام اور کام سے پاکستان کے ذی شعور طبقے پہلے ہی سے واقف ہیں۔

اس رسالے میں ڈاکٹر صاحب نے خود فراموشی، عقلی و فکری جمود، اقتصادی قوتوں، افرادی قوتوں اور روحانی قوتوں کے تعطل سے اُمتِ مُسلمہ کے بگاڑ کا سبب قرار دیا ہے۔ اسی سلسلے میں احیاء کا کام کرنے والی اسلامی تحریکوں کو زیرِ گفتگو لا کر یہ بتایا ہے کہ ان کے کام میں خارجی قوتوں کی رکاوٹوں کے علاوہ داخلی طور پر ان میں خود احتسابی کا فقدان، عجلت کاری اور مبالغہ پسندی جیسی کمزوریاں اثر انداز ہیں۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے غلبۂ اسلام کے لیے مختصر اور جامع نقشہ پیش کیا ہے۔

منیر احمد خلیلی صاحب اسلامی نقطۂ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اُردو کے ایک اچھے ادیب بھی ہیں۔ لہٰذا ترجمہ بہت اچھا ہے۔

پیغام و دعوت اور اُمّتِ مُسلمہ کی ذمہ داری

از محمد شریف قاضی ۔ مصنّف " اسوۂ حسنہ" (صدارتی ایوارڈ یافتہ)
ناشر: شعبۂ پیغام و دعوتِ اسلامی، پاکستان۔
ساکن و ڈاک خانہ بھنڈ گراں، تحصیل کھاریاں ضلع گجرات ۔ گجرات شہر میں سرگودھا روڈ پر ظفر بک ایجنسی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ قیمت: ۶/- روپے

"پیغام" سے مؤلف کی مراد پیغامِ سیرتِ پاک اور پیغامِ نبوّت و رسالت ہے۔ پھر اِس پیغام کی تشریح و توضیح ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اِس پمفلٹ کا مضمون اور بھی زیادہ سادہ انداز میں مرتب ہوتا۔ اور عوام کے لیے قابلِ فہم ہوتا۔

"باد بان" ـــ "پیغام" | مدیر: تنویر شہزاد ۔ مقام اشاعت: بزم پیغام ۔ ۱۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور۔ قیمت: فی پرچہ، ایک روپیہ۔ سالانہ -/۲۰ روپے۔

یعنی اصلاً تو ہفت روزہ "بادبان" ہے۔ لیکن اس کے ذریعے اب سکولوں کے طلباء کو علم، سچائی، نیکی اور ترقی کا پیغام پہنچایا جا رہا ہے۔

اسکول درجے تک کے طلبہ کے لیے اسے اداریوں، مضامین، کہانیوں، نظموں، لطیفوں، پہیلیوں وغیرہ کا مجموعہ بنا کر غالباً مہینے میں دو بار بھیجا جاتا ہے۔ چھوٹا کتابی سائز ہے۔ اچھی خاصی کوشش ہے۔ مگر دوسرے اداروں میں بچوں کے لیے جس معیار کا کام ہو رہا ہے۔ اس کے لحاظ سے مزید ترقی کرنے کی ضرورت ہے۔

مظلوم علاقوں کے رسائل | مظلوم علاقوں سے یا ان کے متعلق آنے والے رسائل کا ہم یہاں یک جا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ مظلوم انسانی آبادیوں کے حالات پر سراشاعت میں مضامین، خبروں اور تصویروں کے روپ میں نوعِ انسانی کی فریادیں پیش کرتے ہیں۔

۱ ـــ INSAF ۔ یہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن، اراکان (برما)، کا سہ ماہی انگریزی رسالہ ہے۔ آج کل لاکھوں مسلمان برما میں دردناک احوال سے دوچار ہیں، بلکہ وہاں سے نکالے جا چکے ہیں۔ ان کا اندازہ اس کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اچھی خاصی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ قیمت معلوم نہیں۔

۲ ـــ دوامِ نَو (ماہنامہ)۔ مدیر اعزازی ڈاکٹر سید عبد الباری و مجلسِ مشاورت)۔ دفتر: ٹانڈہ، ضلع فیض آباد، یو۔ پی۔ بھارت۔ شمارہ نمبر ۸، ۹ (جلد ۲) سامنے ہے۔ انڈیا کے حالیہ مسلم کش اور مسلم آزار ریلے میں جو قیامت گذری ہے۔ اس کا تذکرہ مضامین اور رپورٹوں میں بھی ہے۔ اور تڑپا دینے والی تصاویر بھی۔ قیمت فی پرچہ ۵۰/۴ روپے انڈیا۔

۳ ـــ ماہنامہ "تکبیر (کشمیر)" مدیر مسئول: جوہر قدوسی۔ مقام اشاعت: کاشانہ ناظم۔ دار الہدیٰ روڈ۔ پلوامہ۔ کشمیر۔

خط و کتابت پوسٹ بکس نمبر ۴۶۹۔ سری نگر ۱۹۰۰۰۱۔ کشمیر۔ کشمیر میں قیمت فی پرچہ ۵/ روپے۔ سالانہ ۴۸/ روپے

اس رسالے میں عالمی اور دُنیائے اسلام کی خبروں کے علاوہ، حکومت کشمیر کی غلط پالیسیوں اور

فیصلوں پر بحثیں اور تحریک آزادئ کشمیر اور جماعتِ اسلامی اور ایسے بھارتی مسلمانوں پر جو بھارتی پالیسی لائن کا ساتھ نہ دیں، جو مظالم ہو رہے ہیں ان کی تفاصیل۔ نیز باہر سے ہندوؤں کی آبادی داخل کر کے کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ختم کرنے کے پروگرام کے خلاف احتجاج!

بعض ضروری تصاویر بھی شامل کی جاتی ہیں۔

تعلیم القرآن | مرتبہ: صابر قرنی صاحب۔ ناشر: حسنات اکیڈمی-۱۹ اسی۔ منصورہ ملتان روڈ۔ لاہور۔ بڑے سائز کے صفحات: ۱۴۰۔ قیمت: -/۱۵ روپے۔

یوں تو شروع ہی سے صابر قرنی صاحب اپنے دماغ اور قلم سے دین کی خدمت کرنے میں برابر مصروف رہے ہیں۔ لیکن اِدھر کچھ عرصہ سے وہ فہم قرآن کو عوام اور بچوں اور خواتین کے لیے زیادہ آسان بنانے کے لیے مسلسل کاوش و محنت کر رہے ہیں۔ اِس کوشش کے اثرات "الحسنات" میں بھی سامنے آتے رہے۔ مگر اب تعلیم القرآن کا ایک پارہ مکمل ہو کر کتابی شکل میں آ گیا ہے۔

مولوی فتح محمد جالندھری مرحوم کے مستند ترجمے کے ساتھ ہر آیت کے ایک ایک جزوِ کلام کو الگ الگ خانوں میں درج کر کے ان کے نیچے لفظ بہ لفظ ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر پڑھنے والا یہ اندازہ خود قائم کر سکے کہ اللہ کیا فرما رہا ہے۔ الفاظ میں بکھرے ہوئے یہ مطالب مولانا جالندھری کے ترجمۂ مسلسل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس بامحاورہ ترجمہ سے لُطفِ کلام حاصل ہوتا ہے۔ خاص خاص مطالب یا وضاحتیں دائیں بائیں حواشی میں پیش کی گئی ہیں۔ افعال، اسماء اور حروف کی سادہ اور آسان گرامر ہر صفحے کے نیچے درج ہیں۔ شروع میں چند آسان قواعد عربی پیش کیے گئے ہیں۔ اور آخر میں پارہ اوّل کے تمام الفاظ یا کلموں کا لغت ہے، جس میں لفظ کے معنی کے ساتھ قواعد کے لحاظ سے اس کی حیثیت بیان کی گئی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر اس کی تعلیمات کا خلاصہ درج ہے۔ اور شاید آئندہ ہر سورہ کا خلاصہ اسی طرح دیا جائے گا۔

صابر قرنی صاحب کی اس مبارک کاوش کو خدا قبولیت عطا فرمائے۔

خاتونِ خانہ از الاستاذ منظر علی ادیب - ناشر: مکتبۂ سفیر، قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ قیمت : ۱۵/۷۵ روپے

یہ اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن ہے، جو اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے، اس کتاب کے دو ایڈیشن رام پور بھارت سے نکل چکے ہیں (مؤلف نے بھارتی ایڈیشنوں کی کوئی رائلٹی وغیرہ نہیں لی)۔

کتاب کھولیں تو تین نمایاں شخصیتوں کے خیالات کتاب کے متعلق سامنے آتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (مقدمہ) جسٹس ملک غلام علی صاحب (مراسلہ) اور مریم جمیلہ (انگریزی مکتوب کا ترجمہ)۔

استاد منظر ادیب نے "عورت بگاڑ" تہذیب کے حملوں کے مقابلے میں ایک مدت سے محاذ قائم کر رکھا ہے اور کئی چیزیں لکھ چکے ہیں۔ اصل میں کپڑے کا ایک ٹکڑا جو عورت کو ہوس زدہ مردوں کی نگاہوں کی زد سے محفوظ رکھتا ہے، مغرب اُسے اپنی تہذیبی پیش قدمی کے خلاف ایک آہنی دیوار سمجھتا ہے اور نہ صرف عیسائی ملکوں میں بلکہ مسلمان قوموں میں خود مسلمانوں کے ذریعے اس دیوار کو توڑنے کے لیے جتن کیے جا رہے ہیں۔ ابھی ایک یورش ترکیہ میں ہوئی تھی۔ دراصل یہ تہذیب عورت کو گھر کے تحفظاتی ادارے سے نکال کر ہوس کے اڈوں، ثقافتی تماشوں، شو بزنس کے کرتبوں، نائٹ کلبوں، جرائم اور جاسوسی میں استعمال کرتی ہے۔ اس فتنے کے برخلاف استاد ادیب نے نہ صرف اسلامی دلائل بلکہ مغربی دانشوروں کے اقوال اور وہاں کے واقعات و احوال کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ پردہ قید نہیں آزادی ہے اور مسلم عورت کے شایانِ شان مرتبہ خاتونِ خانہ کا ہے۔

استاد منظر ادیب اقبال کو بھی اپنے دعوے کے گواہ کے طور پر لائے ہیں، لیکن اجتہاد کے لیے بعض دانشور جس طرح اقبال کے خیالات کو حرفِ آخر قرار دے رہے ہیں، عورت کے معاملے میں اس طرح اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ ایک اقبال پسند، دوسرا ناپسند!

اخبار اُردو قومی یک جہتی نمبر

ادارۃ: ڈاکٹر وحید قریشی اور ان کے معاونین۔ ناشر: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ پتہ: شمالہ اعوان پلازہ، ۱۶۔ڈی (غربی)، بلیو ایریا الیف ۶/۱ اسلام آباد قیمت: ۱/- روپیہ، سالانہ دس روپے۔ قیمت بہت ارزاں ہے۔ بڑے سائز کا رسالہ۔ ۴۲ صفحات۔ رنگین ٹائیٹل۔

یہ رسالہ اُردو کے فروغ اور نفاذ کے قیام کے لیے قائم شدہ مشہور ادارے "مقتدرہ قومی زبان" کا ترجمان ہے۔ اس میں قومی زبان کے سلسلے میں احوال واقعات، دفتری، تعلیمی، عدالتی اور کاروباری ترقیات، نیز خود اُردو کی اہمیت اور اس کے خاص خاص مسائل پر اچھے مقالات شائع ہوتے ہیں۔

قومی یک جہتی نمبر میں ۶ مقامات —— میانوالی، لاہور، پشاور، کوئٹہ، ایبٹ آباد اور کراچی میں ہونے والے ان مذاکرات کی روئیدادیں چھپی ہیں۔ جن میں قومی یک جہتی کے مسئلے کو قومی زبان اُردو کے حوالے سے زیر بحث لایا گیا۔ بحثوں کے شرکا فاضل اور دانشور لوگ ہیں۔ ان مذاکروں سے پڑھے لکھے طبقوں کے احساسات کا انعکاس بھی ہوتا ہے۔

آخر میں کچھ تبصرے بھی شامل ہیں۔

حرمت — یوم آزادی نمبر

ایڈیٹر زاہد ملک دفتر: علی اکبر ہاؤس، مرکز جی/۸ اسلام آباد قیمت فی شمارہ ۵/- روپے۔ سالانہ: ۲۱۰/- روپے

یہ جدید طرز کا ہفت روزہ ہے۔ سیاسی احوال کے مختلف پہلو اس کے اوراق میں آتے ہیں۔ قومی نقطۂ نظر غالب ہے۔ دینی جذبہ کی رُوح بھی جھلکتی ہے۔ حرمت نے کچھ اچھی قدروں کا تحفظ کیا ہے۔ اس وقت یوم آزادی نمبر سامنے ہے۔ پاکستان اور نظریہ پاکستان، احوال پاکستان، تحریک آزادی اور اس کا پس منظر ایسے موضوعات ہیں جن پر بہت سے ممتاز اصحاب کے خیالات اس نمبر میں ملیں گے۔ خاص طور سے وہ مذاکرہ بڑا اہم ہے۔ جو فکری انتشار پیدا کرنے کی کوششوں کا تدارک کرنے کے متعلق شاملِ اشاعت ہے یہ مذاکرہ جو کئی صفحات پر پھیلا ہوا ہے، وقت

کے نہایت اہم مسئلے پر ملک کی مختلف دینی، سیاسی، قانونی اور ادبی شخصیتوں کے خیالات کا گلدستہ ہے۔ اس پر لکھنے والے نے خطرے کے تدارک کے لیے اپنی اپنی رائے کے مطابق اہم تدبیر لکھی ہے۔

ساتھی ۔ سالنامہ ۸۷ء مدیر: صادق جمیل ۔ دفتر: ساتھی پبلیکیشنز سلیم ایونیو۔ الیف ۱۰۶ گلشن اقبال بی/۱۳ کراچی ۴۷ ۔ قیمت سالنامہ ۳ روپے

بچوں کی دنیا میں ان کی ضرورت کے ادب کا مکمل قحط تو نہیں، بس بیچاروں کو فاقے کرنے پڑتے ہیں اور پناہی کمپوں والوں کی طرح قلیل سی غذا ملتی ہے خصوصًا اسلامی ذوق رکھنے والے بچے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔

ایسے میں ساتھی کا ایک خاص رنگ میں نمودار ہونا اور جلد جلد سالنامہ ۸۷ پیش کر دینا قابل تحسین ہے۔ اچھے بچوں کو خط لکھ کر داد دینی چاہیے۔

ساتھی نے کوشش کی ہے کہ ضروری اقسام کی دلچسپیوں کے سارے سامان بچوں کے لیے جمع کر دے، ان کو انسانیت کی منازلِ اعلیٰ کی طرف پیش قدمی کا شوق بھی دلائے اور ان کو ان تمام جادو کے فتنوں سے بھی بچائے جنھیں طاغوتی تہذیب نے بچوں کو ورغلانے کے لیے بڑی خوبصورت شکلوں میں ہر طرف پھیلا دیا ہے یہ ہمارے بچوں کو خیالات کے جال میں پھانس باندھ کر اغوا کر کے لے جانے کی صورت ہے۔ اس سلسلے میں بچوں کو ہشیار بھی کر دیا جائے اور ان کی دلچسپی کے ایسے سامان بھی ان کو فراہم کر دیئے جائیں کہ پھر فتنوں کے لیے جی للچائے ہی نہیں۔

ساتھی کو ظاہری اور صوری پہلو سے ابھی بہت سا کام کرنا ہے۔

نقاریر و نگارشات قائد ملت بہادر یار جنگ مرتبہ: محمد احمد خاں و مجیب احمد فاروقی۔ ملنے کا پتہ: بہادر یار جنگ اکادمی، سراج الدولہ روڈ، بہادر آباد، کراچی۔ قیمت: یک صد روپے

بہادر یار جنگ کی شخصیت، ان کے خطبات و نگارشات کی لطافتیں اور حسن ملقہ در حلقہ مسائل و

مباحث سے ان کو سابقہ رہا، ان کی حکمتیں یہ ساری چیزیں تقاضا کرتی ہیں کہ بہت کچھ لکھا جائے اور کتاب میں سے بعض پیراگراف نقل کر دیئے جائیں۔ مگر ترجمان القرآن کے ہاں "جگہ" کی کمی اور میرے ہاں "زبان" کی حسرت آفرینی ہے۔ مجھے نواب صاحب کی شخصیت سے گہری محبت ہے، کیونکہ مسلم زاویۂ نگاہ سے جس کسی کو سیاست کے جنگل میں سیدھا راستہ تلاش کرنا ہو، اُسے نواب بہادر یار جنگ کے قول و عمل کے چراغ روشنی دیں گے۔ یہ شخص جسے حقے کے ذریعے زہر دے کر شہید کیا گیا، ایک طرف دکن کی پرپیچ اور پُرخطر سیاست کے میدان میں بے باکی سے تگ و تاز کرتا رہا۔ دوسری طرف برصغیر کی سیاست کے مختلف ادوار کا شعور رکھتے ہوئے اکھنڈ بھارت کے نعرے کے خلاف نظریۂ پاکستان کا علمبردار بنا، تیسری طرف عالم اسلام کی خستہ حالی اور سامراجی قوتوں کی ساحری کو بھی خوب سمجھتا تھا۔ اس کے مقالات و خطبات اس قابل ہیں کہ ہمارے نوجوان ان کو پڑھیں، بلکہ ان پر تحقیق کریں اور ان کی روشنی میں مستقبل کے خطوطِ کار طے کریں۔ ایسی ہستیوں کے کام طاقِ نسیاں میں ڈال دینا کسی قوم کی بدقسمتی کی دلیل ہے۔

بہادر یار جنگ اکادمی تبریک کی مستحق ہے کہ وہ اپنے اختیار کردہ موضوع پر مسلسل وقیع کام کر رہی ہے۔

ایٹمی آگ کی قرآنی تشریح | از علامہ یوسف جبریل۔ ملنے کا پتہ: ادارۂ تصنیفاتِ جبرائیل۔ دکان نمبر E/۲۴۔ مین بازار، نواب آباد، واہ چھاؤنی، ضلع راولپنڈی۔ قیمت: -/۶ روپے

ہمارے ہاں ایک رجحان یہ بھی پایا جاتا ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی ایجادات ہوں، یا عام حالات سے مختلف واقعات نمودار ہوں تو ان کے متعلق قرآن میں کوئی نہ کوئی آیت تلاش کی جائے، جس کے تحت دعوٰی کیا جا سکے کہ یہ راز تو قرآن نے پہلے سے منکشف کر دیا تھا۔

مگر شاید یوسف جبریل صاحب کا ذہن ذرا مختلف نوعیت کا ہو۔

ان کی نگاہ میں لفظ ایٹم اور قرآن کے لفظ "حطمہ" کی مماثلت کی طرف جاتی ہے اور وہ حطمہ اور ایٹم کو آپس میں ہم معنی ثابت کرتے ہوئے یہ احتیاط بھی کرتے ہیں کہ قرآنی حطمہ کو

آئندہ کی ابدی دنیا سے متعلق قرار دیتے ہیں اور ایٹم بم کو ابدی حطمہ کا ایک دنیوی عارضی مظہر قرار دیتے ہیں۔

پمفلٹ میں انہوں نے کچھ سائنسی انداز پر یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ایٹمی قوت سے متعلق اصطلاحات کیا ہیں، ایٹم بم کا عمل کس طرح ہوتا ہے اور اس کے مختلف پہلو کیا ہیں جو حطمہ کے عمل سے مشابہت رکھتے ہیں۔

یہ دلچسپ گفتگو افسوس ہے کہ اچھے کتابتی اور طباعتی انداز میں پیش نہیں کی گئی۔

ارمغانِ دکن	از: بہادر یار جنگ اکادمی - سراج الدولہ روڈ، بہادر آباد، کراچی ۵

قیمت: ۵/- روپے۔

یہ مجموعہ ہے ان تحریروں کا جن میں حیدر آباد دکن کے ادیبوں اور شعراء نے اقبالؒ کو اس موقع پر نذرانۂ تحسین و محبت پیش کیا جب اقبال صدی کی تقریبات منائی گئیں۔

حیدر آباد کو اقبال کے تعلق سے کئی اعزاز حاصل ہیں۔ ۱۔ علامہ اقبال کی زندگی میں پہلا یومِ اقبال نہایت عظیم الشان پیمانہ پر بلدۂ حیدر آباد میں منایا گیا۔ ۲۔ علامہ کے انتقال کے بعد قائد ملت بہادر یار جنگ نے اپنی کوٹھی پر درسِ اقبال کا سلسلہ شروع کیا۔ ۳۔ مطالعۂ اقبال کے سلسلے میں سب سے پہلی بنیادی کتاب "روحِ اقبال" حیدر آباد ہی میں لکھی گئی۔ ۴۔ علامہ اقبال کے اردو کلام کا مجموعہ "کلیاتِ اقبال" کے نام سے سب سے پہلے حیدر آباد ہی میں شائع ہوا۔ ۵۔ علامہ اقبال کے نثری مضامین کا پہلا مجموعہ "مضامینِ اقبال" کے نام سے حیدر آباد ہی نے شائع کیا۔ ۶۔ "بزمِ اقبال" بھی سب سے پہلے حیدر آباد میں قائم ہوئی۔

(بقیہ وفیات)

بعض ضرورتوں کے لیے حیدر آباد دکن گئے تھے۔ پھر وہیں خاندان پھلے پھولے۔ عمرو صاحب حیدر آباد سے بہ سلسلہ ملازمت کئی سال پہلے جدہ منتقل ہو گئے۔ وہاں ملازمت کرتے تھے۔ وہیں مکان بنا لیا۔ حج کے لیے گیا تو بخار میرے ساتھ لگ گیا۔ ایک پاکستانی دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا، جو مجرد بھی تھے اور مصروف بھی۔ عمرو صاحب ان سے کہہ کر مجھے اپنے گھر لے گئے۔ کئی دنوں تک ان کے ہاں مہمان بنا رہا۔ دن کو مکہ چلا جاتا۔ شام کو واپس آتا۔ ہر طرح کی خدمت سارے گھر والوں نے نہایت شوق سے کی۔ خدا مرحوم اور ان کے گھر والوں کو جزا دے۔ ایک مرتبہ وہ پاکستان تشریف لائے تو غریب خانے پر ٹھہرے۔ عجیب عالم تھا۔ میں نے آنکھ بنوائی تھی اور چلنا پھرنا ممنوع تھا۔ سو معذرۃً عرض کیا کہ باقی سب خدمت تو ہوتی رہے گی، لیکن میں اپنے حصے کی "سروس" انجام دینے سے معذور ہوں۔ بس تھوڑی دیر کے لیے ان سے باتیں کرتا اور پھر لیٹ جاتا۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کے بیوی بچوں کے علاوہ اُن کو جاننے والے جدہ کے تمام رفقاء کی خدمت میں اپنا جذبۂ ہمدردی پیش کرتا ہوں۔

پریس جاتے جاتے

بڑی افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ ملتان کے شیخ عبدالحمید صاحب جو وہاں سابق امیر بھی رہے ہیں، وفات پا گئے۔ مرحوم بہت محتاط قسم کے تاجر تھے! وہ مزاجاً بہت شریف بھی تھے اور جماعتی کاموں میں بہ حیثیت منتظم خاص اہمیت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور ان کے اہل خانہ اور اعزہ کو صبر کی توفیق کے ساتھ اپنے کرم سے نوازے۔

اسلام اور مسلم خواتین

از : سیدہ اُمِ فاروق

- کتاب — جو اسلام کا مطالبہ پیش کرتی ہے۔
- کتاب — جس میں مسلم خواتین کے اوصاف و فرائض بیان کیے گئے ہیں۔
- کتاب — جو دورِ حاضر میں اسلام کی تعبیر و تعلیم کا نقشہ پیش کرتی ہے۔
- کتاب — جس کے مطالعہ سے دل و دماغ کے شکوک و شبہات دور ہوجاتے ہیں۔
- کتاب — جس کا آپ کو بہت انتظار تھا۔
- کتاب — جو مسلم خواتین کو براہ راست مخاطب کرتی ہے۔

* تمام نگارشات سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے
* تمام تعلیمات سید مودودیؒ کے لٹریچر سے ماخوذ

ضخامت :
قیمت : ۱۵/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار ○ لاہور